الزہراء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنت الرسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رض کی سوانح عمری

[illegible]

علامہ راشد الخیری مدظلہ

سابق ایڈیٹر مخزن [illegible] مدیر عصمت و سہیلی

مصنف منازل السائرہ، صالحات، صبح زندگی و شام زندگی وغیرہ

جسے

ملا محمد الواحدی

نے بماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۳۶ ہجری مطابق نومبر ۱۹۱۷ء

دوسری مرتبہ

[illegible] دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

اطلاع

الزہراء کا دائمی حق اشاعت علامہ راشد الخیری مدظلہ العالی نے مجھے دیدیا ہے اسلیئے کوئی صاحب اِسے یا اِسکے کسی حصے کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں۔ ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہونگے۔ ہاں کتب فروش حضرات اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اسکی جلدیں دفتر خطیب و نظام المشائخ سے خرید سکتے ہیں۔

خاکسار **واحدی** ایڈیٹر خطیب و نظام المشائخ دھلی

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ارواح کی سیر کرنی یا پردہ موت کو [illegible] دیکھنا ہو تو "سات روحوں کے اعمالنامے" ملاحظہ فرمایئے جو مولانا راشد الخیری مدظلہ [illegible] مضمون ہے جسکو پڑھکر ہر ناظر کی ادہر ہچکی بندھ گئی۔ اور اُدہر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑگئے۔ راز و نیاز کے چوچلے، عشق و محبت کے کرشمے، خانہ داری کے مناظر، غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس سے سات روحوں کے اعمالنامے محروم ہوں۔ یہ مضمون رسالہ خطیب میں مسلسل نکل چکا تھا مگر اس کی طلب اسقدر زیادہ ہوئی کہ اب اِسے کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔

اِس مبحث پر جناب مصنف نے ایسے لطیف اور دلکش نظارے دکھائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ ضخامت ۴۰ صفحے۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۶/

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام ہے اُن پاک روحوں پر جو خاک عرب سے اُٹھیں اور علم و فضل کے ایسے دریا بہائے کہ نہ صرف خطۂ مخصوص بلکہ ایک دنیا ان سے سیراب ہوئی۔ ادب کی اُن صحبتوں اور علوم کی اُن مجلسوں میں ہم بنت الرسول فاطمۃ الزہرا رضی کو بھی ممتاز جگہ پر جلوہ افروز دیکھتے ہیں۔ سونے پر سہاگہ ان کی خانگی زندگی ہے جو ایثار کے متبرک گلدستے ہاتھوں میں، صبر و شکر کے خوشنما ہار گلے میں اور انسانیت کا چمکتا ہوا تاج سر پر۔ مسلمان کچھ آج ہی کل کے نہیں تیسری ہی صدی کے بعد سے حُسن عقیدت کے ایسے چکر میں پڑے۔ کہ ائمہ کا درجہ خلفاء سے خلفاء کا پیغمبر سے اور پیغمبر کا خدا سے بڑھا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی معاملات اور شاندار روایات جن سے یہ پاک زندگیاں لبریز تھیں ختم ہو گئیں۔ اور ان کے بدلے وہ جھوٹی روایات خرافات و ہزلیات جن پر دوسرے مضحکہ اڑاتے ہیں داخل ہو گئیں۔ اور آج ان کے کارنامے محض ان فقیروں کا ذریعہ معاش رہ گئے ہیں جو اندھیرے منہ گلیوں میں چیختے پھرتے ہیں۔ فریقین کے اختلاف نے اور بھی غضب ڈھایا کہ مسئلہ متنازعہ فیہ کے ساتھ تمام محاسن پر پانی پھر گیا۔ اور وہ شاندار زندگی جو سیدہ نے بسر کی اسوقت اندھیرے گھپ میں پڑی ہوئی ہے۔ بی بی کی نیاز بی بی کی صحنک بی بی کی پڑیاں، بی بی کا کونڈا معجزہ آل نبی حلوہ عید وغیرہ ہر واقعہ سے اور ہر چیز سے یہی نظر آتا ہے کہ فاطمۃ الزہرا کی تمام عمر مصیبت اور افلاس میں بسر ہوئی۔ ہم کو بھی اسکے تسلیم کرنے میں عذر نہ تھا۔ مگر انقلاب کا وہ زبردست پہلو جو واقعیت کے رنگ میں صاف جھلک رہا ہے

[illegible] ہو جاتا ہے۔ اور بی بی فاطمہ کی اس غریبی کو جو لوگوں کو [illegible] ظاہر
ہوئی قطعی چھپا لیگا۔ اسلیئے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم سیدہ کے شجرۂ نسب کے ساتھ اُن کی محترم
ماں بی بی خدیجہؓ کی مالی حالت کا بھی ذکر کریں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ سرا کی غریب و مفلس نہ تھیں
بلکہ ماں کی زندگی تک ان کی پرورش اسطرح ہوئی جس طرح ایک اوسط درجہ کی خاندانی لڑکی کی ہو سکتی ہے۔

بی بی فاطمہؓ کا شجرۂ نسب

باپ کے اجداد

عدنان
معد
نزار
قطر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نظر
مالک
فہر
غالب
لوی
کعب
مرۃ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبد المطلب
عبد اللہ
محمد رسول اللہ (صلعم)
[illegible]

ماں کی مائیں اور اجداد

مائیں

عامر
معیص
عبد
حجر
رواحہ
ہرم
اصم
زائدہ
فاطمہ
خدیجہؓ
فاطمہؓ

ماں کے اجداد

عبد العزیٰ
اسد
خویلد
خدیجہؓ
فاطمہؓ

ان کا شجرہ ... معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کا ... نانا خویلد قریش کے ... اور ...
میں سے تھے اور اسطرح رسول اللہ صلعم کا شجرہ بی بی خدیجہؓ کی چوتھی پشت میں قصی سے جا کر ملجاتا ہے اور وہیں
پشت میں لوی سے غرض بی بی فاطمہؓ کا نجیب الطرفین اور خوشحال خاندان کی بیٹی ہونا ثابت ہوگیا۔

بی بی فاطمہؓ کی خاندانی حالت اور بی بی خدیجہؓ کی دوسری امہات المومنین پر فضیلت

بی بی خدیجہؓ کی ولادت ۵۵۵ء اور ۵۷ء کے درمیان کی ہے اسوقت کی عام حالت جو زمانۂ جہالت کہلاتا ہے مخفی نہیں مگر بی بی خدیجہؓ جن کی گود میں سیدہ نے پرورش پائی اسوقت یعنی اُس تاریکی کے زمانہ میں بھی طاہرہ کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ اور قریش کا گراں بہا تمغہ سیدۃ النسا جو کسی دوسری عورت کو ان سے پہلے نصیب نہوا عطا ہو چکا تھا۔ ان کے والد یعنی سیدہ کے نانا خویلد جن کے خیالات کا اثر بی بی خدیجہؓ کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ اور جو فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی میں پوری طرح ظاہر ہوا۔ اپنے وقت میں اپنے تمول ایثار و رحم کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھے ان کا کاروبار یمن میں بہت زور سے پھیلا ہوا تھا مگر بی بی خدیجہؓ کا پہلے شوہر ہناش اور دوسرے عتیق جب ان کو بیوہ چھوڑ گئے تو ان کے والد خویلد اپنے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کی نگرانی کے قابل نہ تھے۔ اسلئے انہوں نے اپنا سب کام بیٹی کے سپرد کیا اور خود گوشہ نشین ہوگئے۔ بی بی خدیجہؓ نے اس کام کو اس قدر توجہ اور ایمانداری سے چلایا کہ باپ سے زیادہ منافع حاصل ہوا اور چند ہی روز میں وہ بہت بڑی دولت کی مالک بن گئیں۔ گو اسوقت تجارت کی منڈیاں بہت سی تھیں۔ مگر شام مرکز تھا اور اگرچہ بہت سے تاجر اور غلام ایسے موجود تھے جو بی بی خدیجہؓ کے مال و اسباب کے اونٹ خود لیجاتے تھے اور دیانت داری سے کام کرتے تھے پھر بھی بی بی خدیجہؓ کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو نہایت ایماندار متقی و پرہیزگار ہو تاکہ ان کے خود نہ جاسکنے کی کمی کو پورا کردیتا۔

ادھر قحط کی سخت مصیبت سے گھبرا کر ابو طالب نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ تم خدیجہؓ سے

سے صاف صاف کہدیا تہا کہ ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ اور وہ تمہاری قوم میں سے ہوگا
یہ سنتے ہی بی بی خدیجہؓ کا ذہن ادہر منتقل ہو چکا تہا۔ چنانچہ جس وقت رسول اللہؐ نے
ملازمت کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے خوشی سے منظور کر لیا اور اپنے غلام میسرہ سے
کہدیا کہ جو کچھ یہ کہیں اور کریں کسی معاملہ میں دخل نہ دینا۔ اس سفر اور اس تعلق میں میسرہ نے
جو کچھ دیکھا اور رسول اللہؐ کی دیانتداری کا جو سکہ بی بی خدیجہؓ کے دل پر بیٹھا وہ نکاح کی صورت
میں ظاہر ہوا۔ بی بی خدیجہؓ رسول اللہؐ کی سب سے پہلی بیوی تہیں۔ اور اسی لیئے تمام مورخین
اسپر متفق ہیں کہ یہ ایک ایسا ممتاز اور مخصوص شرف ہے جسکی وجہ سے ان کو تمام ازواج مطہرات
پر فضیلت ہے اور حق یہ ہے کہ وہ اس فضیلت کی مستحق تہیں انہوں نے اپنا تن من دھن سب
رسول اللہؐ کی کامیابی میں صرف کر دیا۔ جب ارہاصات کا وقت آیا ہے اسوقت رسول اللہؐ
نہایت پریشان و خائف تھے کہیں پتھر سلام کر رہے ہیں کہیں درخت بول رہے ہیں۔ اس
موقعہ پر بی بی خدیجہؓ نے ایسے دلسوز پیرایہ میں تسلی دی کہ وہ پریشانی اور خوف سب رفع
ہو گیا۔ اس فضیلت کی تائید ام المومنین بی بی عایشہؓ کی اس حدیث سے ہو رہی ہے۔ جسکو
امام بخاری نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ رسالت مآبؐ جب بی بی خدیجہ کے بعد گھر میں تشریف
لاتے تو ان کا ذکر کر کے بہت کچھ تعریف کرتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے
مطابق ان کی بہت کچھ تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا۔ میں نے کہا وہ تھیں
کیا ایک بوڑھی بیوہ عورت تہیں۔ خدا نے آپ کو ان کے عوض ان سے بہتر بی بی عنایت کی
یہ سنکر رسول اللہؐ کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے تمتما اٹھا۔ اور فرمانے لگے بخدا کی قسم
ان سے اچھی بیوی مجھے نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تہیں جبکہ سب لوگ کافر تھے انہوں نے
میری تصدیق کی تھی جبکہ سب لوگ جھٹلاتے تھے۔ انہوں نے اپنا مال و دولت مجھپر قربان کیا

[illegible]

کبھی ایسی بات نہ کہونگی۔

بی بی خدیجہؓ سے رسول اللہؐ کے ہاں سات اولادیں چار[۵] صاحبزادے تین صاحبزادیاں[۲] باین تفصیل پیدا ہوئے:۔

زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن قاسم۔ طاہر عبداللہ رضی اللہ عنہم یہ سب بچے زمانہ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے بلکہ تینوں صاحبزادے تو نبوت سے پہلے ہی انتقال بھی فرما گئے تھے۔ صاحبزادیوں نے البتہ نبوت کا زمانہ پایا اور سب کی سب مشرف باسلام ہوئیں۔ بی بی زینبؓ سب سے بڑی تھیں جو نکاح کے پانچویں سال پیدا ہوئیں اور جن کی شادی ابو العاص بن الربیع سے ہوئی جو بی بی خدیجہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ انہی کی لڑکی امامہؓ فاطمۃ الزہراؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی سے بیاہی گئی تھیں۔ ایک موقعہ پر جب بدر کی لڑائی میں کچھ آدمی گرفتار ہو کر آئے ہیں تو انکی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ فدیہ دیں۔ قیدیوں میں زینبؓ بنت رسول اللہؐ کے شوہر ابو العاص بھی تھے۔ جب بی بی کو یہ خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی ماں بی بی خدیجہؓ کی ہیکل رسول اللہؐ کی خدمت میں بطور فدیہ کے بھیجی۔ ہیکل کے سامنے آتے ہی رسول اللہؐ کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے اور آپ نے فرمایا یہ اس نیک اور پاک بی بی کا زیور ہے جس نے اپنی عمر کا آخری تمام حصہ اسلام کی خدمت میں بسر کر دیا۔

بی بی فاطمہؓ کو رسول اللہ کی دوسری صاحبزادیوں پر کیا فوقیت حاصل ہے

بی بی فاطمہ کے حالات میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب رسول اللہ کی۔ بی بی فاطمہؓ سے تین بڑی صاحبزادیاں اور موجود تھیں۔ جن کا ذکر اوپر ہوا تو بی بی فاطمہؓ میں ایسی کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے مسلمان عام طور پر ان صاحبزادیوں کے نام تک سے واقف نہیں اور حضرت فاطمہؓ کا

کی زندگی میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے ہیں اور وہ حضرت علیؓ سے منسوب کی گئیں ممکن ہے انکی شہرت کی یہی وجہ ہوئی ہوں۔ مگر یہ خیال ٹھیک نہیں ہے کیونکہ بی بی زینب کی لڑکی امامہ بی بی فاطمہؓ کے بعد حضرت علیؓ سے بیاہی گئیں۔ رقیہؓ اور ام کلثومؓ کے پہلے نکاح ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے اور پھر دونو کے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفانؓ کے عقد میں آئیں پہلے بی بی رقیہؓ اور ان کے بعد ام کلثومؓ۔ اسلئے محض عقد وجہ شہرت نہیں ہو سکتے۔ بی بی فاطمہؓ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ رسول اللہؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اور اسلئے فطرتاً سرور کائنات کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اور وہ اس حد کو پہونچ چکی تھی کہ بی بی فاطمہؓ کے دونوں بچوں کو رسول اللہؐ اپنا بیٹا فرماتے تھے اور ان سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی اپنے بیٹوں سے کسی باپ کو ہو سکتی ہے۔ بی بی فاطمہؓ سے رسالت مآبؐ کو جو شغف تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ سفر میں تشریف لیجاتے تھے تو سب سے پیچھے بی بی فاطمہؓ سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں جاتے۔ بی بی فاطمہؓ باعتبار علم و فضل اپنی سب بہنوں سے بہتر تھیں ان کے مزاج میں بچپن ہی سے ایثار اس قدر تھا کہ رسول اللہؐ جیسے باپ اور بی بی خدیجہؓ جیسی ماں کی صحبت کا جو بہترین اثر کسی اولاد پر ہو سکتا تھا۔ وہ بی بی فاطمہؓ پر ہوا۔ چنانچہ ملا حسین شیرازی فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر قریش میں کوئی شادی قرار پائی بیبیاں اچھے اچھے کپڑے اور زیور پہن کر اسمیں شریک ہوئیں۔ بی بی خدیجہ اسوقت زندہ تھیں۔ انہوں نے اپنی سب بچیوں کو اس شادی میں بھیجا۔ بی بی فاطمہؓ کی عمر اسوقت قریباً پانچسال کی تھی اور اس عمر میں بچیوں کو پہننے اوڑھنے کی جس قدر خوشی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے اور یہ پہنچا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی فاطمہؓ نے ماں کے حکم کی تعمیل میں شرکت تو منظور کر لی مگر زیور کا استعمال

که ماں اور باپ کے جو خیالات ننھے سے دماغ میں جگہ پکڑ چکے تھے۔ اور نشو و نما پا رہے تھے۔ ان کا اثر
ابتدا ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور یہی تھی وہ وجہ جو ماں اور باپ دونو کی محبت میں زیادتی
کا باعث ہوئی۔ سونے پر سہاگہ ان کی علمی قابلیت تھی۔ جس نے ان کے پاک نام کو چار
چاند لگا دئے۔ ام المومنین بی بی خدیجہؓ کی فضیلت امام بخاری کی ایک حدیث سے ثابت
ہو چکی ہے۔ اور ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ بی بی فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور ام المومنین
عایشہ صدیقہؓ کا مقابلہ کریں۔ اس موضوع پر نواب صدیق حسن خان نے ایک معقول بحث
کی ہے اور بحث کو ان اشعار پر ختم کیا ہے ؎

دی کسے گفت عایشہؓ در فضل — بہتر از بنت سید البشر است
مصرعہ در جواب او گفتم — رشتہ دیگر رگ جگر دگر است

یہ خیال بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ ان کے بطن سے حسنینؓ جیسے دو ایسے لال
پیدا ہوئے۔ جو بساط امامت پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکے۔

بی بی فاطمہؓ کی پیدایش

بی بی فاطمہؓ کی پیدایش میں مورخین کا کچھ اختلاف ہے۔ مگر ۵ نبوی پر مورخین زیادہ
متفق ہیں اور یہ ہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت کے دسویں سال یعنی
ہجرت سے تین برس پہلے ام المومنین خدیجہؓ کا انتقال ہوا ہے۔ اور ام المومنینؓ کے اس نکاح نے
تمام برادری میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے رئیس و امیر بی بی خدیجہؓ کے
خواستگار تھے۔ اور ایک شخص نے تو درخواست نکاح کے ساتھ تین ہزار اونٹ مہر کا وعدہ بھی
کر لیا تھا۔ لیکن بی بی خدیجہؓ جو اپنے خیال کی پختہ اور محض حق کی متلاشی تھیں یہ رضا مند نہ
ہوئیں۔ اسلئے ان لوگوں کو رسول اللہؐ سے نفرت تو پہلے ہی تھی۔ بی بی خدیجہؓ کا نکاح جو کر لیا
اور نیم چڑھا ہو گیہ یہاں تک نوبت پہونچی کہ سوا چند عورتوں کے سب نے آنا جانا چھوڑ دیا۔

[illegible]

جمادی الآخر کی بیسویں تاریخ۔ طلوع آفتاب کے وقت بی بی فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ رسول اللہؐ نے جب سب سے پہلے بچی کو دیکھا تو گود میں لیا پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور فرمایا کہ میری یہ بیٹی دنیا کی بزرگ عورتوں میں سے ہے۔ یہ الفاظ رسالتمآبؐ کی زبان سے اکثر بی بی فاطمہؓ کی بابت نکلتے تھے۔ ملا حسین شیرازی نے امام حسنؑ کی روایت سے ام المومنینؓ کا یہ قول اس موقعہ پر نقل کیا ہے کہ "مجھ کو ہر بچہ کی پیدائش میں تکلیف ہوتی تھی مگر فاطمہؓ نے مجھ کو مطلق تکلیف نہ دی مجھ کو اسکی محبت روز پیدائش ہی سے بہت زیادہ تھی میں جب اسکو گود میں لیکر بیٹھتی تو وہ کچھ ایسی محبت کی نگاہوں سے مجھے دیکھتی کہ مامتا کا جوش ہوتا اور میں اسکو بیتابانہ کلیجہ سے لگا لیتی۔"

رسول اللہؐ کو تبلیغ اسلام ہی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بچی کی تربیت پر کوئی خاص توجہ فرماتے۔ ہاں ام المومنینؓ نے اپنے ہونہار بچی کی تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"، ام المومنینؓ ادھر رسول اللہؐ کے ارشاد سے، اُدھر بچی کی افتاد سے اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ فاطمہؓ اپنے وقت کی مریمؑ ہوگی۔ اور اسی لیئے فرماتی تھیں کہ مجھ کو فاطمہؓ سے زیادہ کسی بچہ کی پرورش میں لطف نہیں آیا۔

ام المومنین خدیجہؓ کی رحلت اور بی بی فاطمہ کی تربیت

افسوس یہ ہے کہ زمانہ نے ماں کو اپنی اس بچی کی بہار نہ دیکھنے دی۔ اور بی بی فاطمہؓ کو بھی ماں کے آغوش میں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ بی بی فاطمہؓ پانچ برس کی تھیں کہ ام المومنینؓ نے اپنی پیاری بچی سے منہ موڑا اور دوسرے جہان کو سدھاریں رمضان کا مبارک مہینہ تھا۔ مکے کے مشہور قبرستان حجون میں دفن کی گئیں۔ مگر اس موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ام المومنینؓ کی وجہ سے جو فتنے دبے ہوئے تھے۔ وہ اب پھر اُٹھے اور وہ مفسد شریر النفس جنکو ام المومنینؓ کی وجہ سے رسول اللہؐ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی زیادہ جرأت

ایسے نازک موقعہ پر رسالتمآبؐ کو اپنے مقصد ہی کی کامیابی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ نہ کہ بچوں کی آسائش و تربیت کا فکر ہوتا۔ ہاں دفن کے بعد جب گھر تشریف لائے ہیں تو بی بی فاطمہؓ دوڑ کر لپٹ گئیں اور پوچھا اماں کہاں ہیں؟ صاحب ناسخ التواریخ اس واقعہ کو اس طرح ادا کر رہا ہے۔

نماز ظہر کے بعد جب رسول اللہؐ اندر تشریف لائے تو معصوم بچی جو چند گھنٹوں سے ماں کی صورت کو پھڑک رہی تھی۔ باپ کی صورت دیکھتے ہی بیتاب ہوگئی۔ آفتاب تیزی پر تھا فاطمہؓ ننگے پاؤں دوڑ کر باپ سے لپٹی اور سوال کیا کہ میری ماں کہاں ہیں؟ بیٹی کی صورت اور اس کا یہ سوال کچھ ایسا موثر تھا کہ رسالتمآبؐ کی چشم مبارک میں آنسو آگئے مگر وہ ذات پاک جو راستی کا معدن صداقت کا مخزن خلوص کا مجمع اور نیکی کا منبع تھی۔ ناممکن تھا کہ جواب غلط دیتی۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ فاطمہؓ کو گود میں لیا۔ گلے لگایا اور فرمایا:۔

"خدا کے ہاں"

محلہ یا پڑوس میں کسی سے یہ توقع نہ تھی کہ بن ماں کی بچی کا دل ہاتھ میں لیتا۔ شوہروں کی بیویاں اور بچوں کی مائیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ مگر ایسی سنگدل اور ظالم کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی بی بی فاطمہؓ کو نہ دیکھتا۔ اسلام کا جھنڈا بلند ہو چکا تھا۔ رسول اللہؐ علی الاعلان توحید کا وعظ فرما رہے تھے۔ اور یہ ایسا غضب تھا کہ مرد تو مرد عورتیں تک رسالتمآبؐ کی جانی دشمن تھیں۔ کس کی ہمدردی کہاں کی انسانیت اور کیسا ہمسایہ مرد تو الگ رہے عورتیں جس قدر زیادہ ایذا پہونچاتیں اسی قدر زیادہ خوش ہوتیں صرف فاطمہ بنت اسدؓ اور فاطمہ ابن زبیرؓ دو عورتیں تھیں جو کبھی کبھی آجاتی تھیں اور بن ماں کی بچی کو بہلا لیتی تھیں۔

رسول اللہؐ کو اپنے کام سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بیٹی کی تعلیم و تربیت پر

[illegible] بی بی کو اکثر پڑھاتی [illegible] تعلیم کی ابتدا ماں [illegible] ہوئی

اور اس ابتدائی تعلیم کے متعلق ملا حسین شیرازی ام المومنین خدیجہؓ کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ

"ایک روز جب میں فاطمہؓ کو سبق دے رہی تھی۔ اُس نے دفعۃً مجھ سے سوال کیا کہ ہم خدا کی قدرتوں کو تو ہر وقت دیکھتے ہیں لیکن خدا بھی ہم کو کبھی دکھائی دے گا؟"

ام المومنین۔ ہاں وہ وقت بھی آنے والا ہے اور اگر ہم دنیا میں اچھے اچھے کام کرینگے خدا پر اُسکے رسولؐ پر ایمان لائینگے۔ عبادت اور اچھے عمل کرینگے تو جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو خدا کی رضامندی حاصل ہوگی۔ اور وہی خدا کا دیدار ہے۔

بی بی فاطمہ کی تربیت ام المومنین سودہؓ نے کی

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد کچھ تو یہ وجہ تھی کہ ان کا ڈر جاتا رہا اور کچھ یہ کہ رسالت مآبؐ کی تلقین اسلام روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ قریش کی دشمنی کی کوئی حد نہ رہی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک مجمع میں باہمی قرارداد یہ ہوئی کہ جو شخص رسول اللہؐ کا سر کاٹ کر لائے اسکو ایک گرانبہا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک روز جب آپ دوپہر کے وقت کھجور کے ایک درخت کے نیچے جنگل بیابان میں تنہا لیٹے ہوئے تھے اور آنکھ لگ گئی تھی ایک شخص نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ قریب آکر دیکھا تو آپ کی تلوار بھی درخت پر لٹکی ہوئی تھی، باغ باغ ہوگیا کہ آج خدا نے بہت بڑی کامیابی دی اس سے بہتر موقعہ کونسا ہوگا۔ فوراً سر جدا کرلوں۔ چنانچہ اُس نے تلوار اتار لی۔ ادھر آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اور آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تو اُس نے طیش میں آکر پوچھا اب کون بچانے والا ہے۔ آپنے فرمایا میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ اتفاق سے تلوار اس شخص کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اور آپنے تلوار اٹھا کر اس سے دریافت کیا کہ اب تجھ کو بچانے والا کون ہے۔ وہ شخص سر نگوں تھا۔ آپنے اپنے کرم سے اُسکا قصور معاف کیا۔ اور وہ آپکا کلمہ پڑھتا ہوا چلا گیا ایسی دشمنی کی حالت میں کہ پاؤں کی چیونٹی بھی آپ کی دشمن تھی آپ کو کس طرح خانہ داری

زلئے ایک عمر رسیدہ تجربہ کار اور دیندار عورت کی اشد ضرورت تھی جو گھر کے کام کاج کو بھی سنبھالے

اور بچوں کی دیکھ بھال بھی کر سکے۔ قریش کے وہ چند لوگ جو اب تک ایمان لاچکے تھے۔ انمیں دو

غریب میاں بیوی سکران اور سودہ بھی تھے۔ مگر ان کا مسلمان ہونا ان کے واسطے مصیبت

ہوگیا۔ دشمن جو جو ایذائیں ان کو پہونچا سکتے تھے وہ پہنچاتے۔ میل جول تو خیر ایسی چیز نہ تھا

اور خود یہ دونو بھی اسکی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ مگر ظالموں نے غضب یہ کیا کہ دن دہاڑے گھر

میں پتھر پھینکتے، یہاں تک کہ ایک دفعہ سکران کا سر پھوٹ گیا اور خون کی تلی بندہ گئی مجبور

ان دونوں نے اپنے وطن مکہ کو خیرباد کہا اور ان کم بختوں کے ہاتھ سے اسطرح چھٹکارا پایا

کہ حبشہ روانہ ہوگئے۔ مگر تقدیر کی بات ہے کہ سکران کی عمر نے وفا نہ کی۔ ابھی پوری طرح

بسنے بھی نہ پائے تھے کہ سکران کو موت آگئی۔ اور وہ بیوی کو بیکس و تنہا چھوڑ کر رخصت ہوا۔ اب

بی بی سودہ کی حالت بہت ہی زبوں تھی۔ عزیز موجود تھے۔ مگر خون کے پیاسے اور جان کے دشمن

یہاں رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ مجبور حبشہ سے چلیں اور مکہ واپس آئیں۔ اور اپنی داستان

مصیبت رسول اللہ کو سنائی۔ آپ بہت آبدیدہ ہوئے اور گو ام المومنین خدیجہ کی طرح

بی بی سودہ بھی آپ سے عمر میں بڑی تھیں مگر آپ نے انکی دلجوئی کے واسطے ان سے نکاح کر لیا اور

اس طرح سیدۃ النساء کی تربیت کا یہ دور ام المومنین سودہ کی نگرانی میں شروع ہوا۔

بی بی سودہ کو زندگی کی ضرورتیں اب زیادہ باقی نہ رہی تھیں۔ وہ اب صرف دین کی

درستی میں مصروف تھیں۔ اور چاہتی تھیں۔ کہ کسی طرح رسول اللہ کی خدمت میں حاضر رہوں

چنانچہ انہوں نے ایک موقعہ پر صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ میرے واسطے صرف یہ ہی کافی

ہے کہ میں قیامت میں آپ کی بی بی کہہ کر پکاری جاؤں۔

اس سے ظاہر ہے کہ ام المومنین سودہ کے خیالات یکسر دینی قسم کے ہوں گے۔ اور انہوں نے

لکھتا ہے کہ اس عقد سے پیغمبر علیہ السلام کو فاطمہؑ کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا۔

بی بی سودہ کا یہ تقاضائے عمر تھا اور اسپر اسلام کا عشق کہ ہر وقت خدا اور اسکے رسول کی یاد میں مصروف رہتیں وہ بیج جو بی بی خدیجہ اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی بچی کے ننھے سے دل میں بو گئی تھیں اور جو رسول اللہؐ کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے۔ اب بی بی سودہ کے ہاتھوں سینچے گئے۔ بی بی سودہ کی یہ تربیت جسمیں فاطمہ بنت اسد کے درس بھی شامل ہیں گو بی بی فاطمہ کی پرورش کے لیئے کافی تھے اور رسول اللہ کو اس طرف سے پورا اطمینان تھا مگر قریش کی ایذا رسانی اب حد کو پہنچ گئی تھی اور وہ اس قدر جفا کار ہو گئے تھے کہ جس راستہ سے پیغمبر صاحب کا گذر ہوتا وہاں کنوئیں کھود کر ان کے منہ پر گھاس پھوس اور تنکے بچھا دیتے تا کہ اندھیرے اجالے ان میں گر پڑیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپؐ نے قریش کو جمع کر کے ان سے کہا اگر تم میں سے چند آدمی بھی میرے ساتھ ہو جائیں تو دیکھنا کہ خدا کے احکام کی کس طرح تعمیل ہوتی ہے سرداران قریش نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور اس فقرہ کا مضحکہ اڑایا۔ مگر مجلس میں سے ایک دس برس کا بچہ اٹھا اور آگے بڑھ کر کہا کہ یا رسول اللہ میں آپکے ساتھ ہوں۔ یہ بچہ وہی بچہ ہے جسکو آگے چلکر بی بی فاطمہ کے شوہر ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ اسوقت تو سب نے ایک قہقہہ مارا مگر کسے خبر تھی کہ بچہ کے الفاظ صداقت سے بھرے اور خلوص سے پر ہیں۔

اب بی بی فاطمہ کی عمر قریباً دس برس کی تھی اور گو ان سے کوئی مافوق الفطرۃ باتیں ظہور میں نہ آ رہی تھیں لیکن فراست و دانشمندی نے خود بی بی سودہ کو ان کا اس حد تک گرویدہ کر لیا تھا کہ ان کو دم بھر کی مفارقت بھی بی بی فاطمہ کی گوارا نہ تھی۔ عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ فاطمہ کی خداداد ذہانت انکی قابلیت. ان کا صبر و شکر اسی عمر میں عام طور پر مشہور

کسی زمانہ میں رسالتمآب کے والد بزرگوار عبد اللہ سے نکاح کی خواہشمند تھی اسکی بابت صاحب ناسخ التواریخ یہ لکھ رہا ہے کہ جسوقت آپ کی شادی آمنہ سے ہو چکی ہے۔ اور وہ حاملہ ہو گئیں تو عبد اللہ نے نکاح پر رضامندی ظاہر کی مگر فاطمہ شامیہ نے اب یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں صرف اسی روشنی کی خواہشمند تھی جو آپ کی پیشانی میں چمک رہی تھی، لیکن وہ جس کی تقدیر کی تھی اُسکے پاس گئی۔ اب میں اس درخواست کو نامنظور کرتی ہوں یہی فاطمہ شامیہ بی بی سیدہ کے زمانۂ طفولیت میں زندہ تھی۔ اور جب اس نے اس بچی کی ذکاوت اور فراست کا شہرہ سنا تو شام سے چلکر مکہ آئی۔ خود زبردست عالم تھی توریت وزبور پر عبور تہا۔ بہت سے تحائف ساتھ لائی۔ کچھ میوے تھے۔ کچھ موتی تھے کپڑا تہا اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں بی بی فاطمہ نے اپنے مہمان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور کہا ان موتیوں کا مصرف کار خیر سب سے بہتر ہے اگر آپ اجازت دیں تو یہ اسلام کی خدمت میں کام آئیں۔ فاطمہ شامیہ نے یہ سنکر بی بی فاطمہ کو سینے سے لگا لیا۔ اور یہ دیکھکر دنگ رہ گئی کہ کھانے کا بڑا حصہ انہوں نے ان مسلمانوں کی نذر کر دیا جو راہ حق میں ہر وقت سینہ سپر تھے۔

بی بی فاطمہ کی مکہ سے روانگی

قریش کی طرف سے جو تکلیفیں رسول اللہ کو پہونچ رہی تھیں وہ بہت زیادہ ہو گئیں۔ اور اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ رسالتمآب نے مکہ سے روانگی کا قصد کیا۔ اہل مدینہ کی ایک جماعت اسلام قبول کر چکی تھی اور ان لوگوں کا مدت سے اصرار تھا کہ رسول اللہؐ مدینہ تشریف لے آئیں۔ اودھر قریش کی دشمنی اُدھر ان لوگوں کا اصرار چار و ناچار رسالتمآب مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ تشریف لے آئے اور بال بچوں کی حفاظت اسی بارہ سال کے لڑکے یعنی حضرت علی کے سپرد کی اور گو مخالفین کا زور اب بھی کچھ کم نہ ہوا۔ لیکن حضرت علی ہر وقت ایک تلوار ہاتھ میں لیئے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں مصروف تھے انکی

فتنہ بھڑکا رویں۔ آپ نے ان سب کو اپنے پاس بلا لیا۔ بی بی فاطمہ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور حضرت علیؓ ان کی حفاظت میں پیدل چل رہے تھے۔ کہ دو آدمیوں نے جو مسلم نہ تھے اہلبیت پر حملہ کیا۔ دو جوانوں کا مقابلہ ایک بارہ برس کے بچہ سے تھا۔ مگر خدا کی اعانت شامل حال تھی۔ ان میں سے ایک بہت بری طرح زخمی ہوا اور تلوار ایسی کاری لگی کہ گر کر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دوسرا اپنے رفیق کی یہ حالت دیکھکر ایسا دم دبا کر بھاگا کہ پھر مدینہ تک اسکی صورت نہ دکھائی دی۔ رسالتمآبؐ نے یہ واقعہ سنکر حضرت علی کو گلے سے لگا لیا اور درازی عمر کی دعا کی +

بی بی فاطمہ کا نکاح

چاہیے کہ مدینہ پہنچکر آنحضرتؐ کو کوئی دن اطمینان کا نصیب ہوتا۔ تو بہ مکہ کی طرح یہاں بھی وہی روز روز کے قصے تضیے اور ہر وقت کے لڑائی جھگڑے۔ خود اہل مدینہ اور گرد و نواح کے یہودی اگر ذرا موقعہ پاتے تو مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور مسلمان کامیاب بھی ہوئے۔ مگر تعصب کی آگ کسی طرح فرو نہ ہوئی۔

یوں تو شروع ہی سے حضرتِ علی کی محبت رسولِ اکرم کے دل میں جگہ پائے ہوئے تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ بچوں کی طرح پالا۔ بیٹوں کی طرح رکھا لیکن اس پریشانی میں حضرت علیؓ نے کچھ ایسا ساتھ دیا اور ایسے کارنمایاں کیئے کہ حد درجہ کی محبت میں اعلیٰ درجہ کی وقعت بھی شامل ہوگئی۔ اسوقت حضرت سیدہ بھی بچپن کا زمانہ ختم کر چکی تھیں۔ ہوشیار ہونا تھا کہ چاروں طرف سے نکاح کے پیغام آنحضرتؐ کے پاس آنے لگے۔ لیکن رسالتمآبؐ نے سب کو صاف جواب دیدیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت حضرت عمرؓ ایک طرف سے آرہے تھے۔ رستہ میں دیکھا کہ حضرت علیؓ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا علی! تم بانی اسلام صلعم سے فاطمہؓ کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ میرے خیال میں

۱؎ علل الشرائع ۲؎ مدارج النبوۃ ۱۲

ہو گئے اور فرمایا " اے عمرؓ! کیوں اس آگ کو بھڑکاتے ہو جسکو میں مدت سے اپنے سینہ میں دبائے ہوئے ہوں " اتنا کہہ کر حضرت علیؓ کے چہرے سے کچھ اداسی ظاہر ہونے لگی۔ مگر بالآخر حضرت علیؓ معہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے مکان کی طرف اسی غرض سے روانہ ہوئے۔

اسوقت رسالت مآبؐ ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علی رضؓ نے آکر دروازہ پر ہاتھ مارا۔ آنحضرتؐ نے اندر بلایا اور حضرت علی شرم کے مارے گردن نیچی کر کے آبیٹھے۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ آخر آنحضرت نے فرمایا اے علی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کہنا چاہتا ہو اور شرم اجازت نہیں دیتی۔ جو کچھ کہنا ہے کہو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا اے خدا کے سچے رسول۔ میں بچپن ہی سے اپنے باپ ابو طالب اور ماں فاطمہ بنت اسد سے علیحدہ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا مجھے آپنے اپنی روٹی سے پالا۔ اور اپنی صحبت میں ادب سکھایا۔ ماں ہیں تو آپ اور باپ ہیں تو آپ۔ بلکہ دونوں سے بہتر ہیں آپ۔ آج میری دنیا و آخرت کی پونجی جو کچھ ہیں وہ آپ۔ مجھے شرف غلامی حاصل ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ فاطمہ کا نکاح مجھ سے ہو جائے؟

یہ سنکر آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا اور حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ فاطمہؓ کے نکاح کے واسطے تمہارے پاس کچھ جمع ہے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مال و متاع کا حال آپ کو معلوم ہے۔ ایک تلوار ایک اونٹ اور ایک زرہ ان تین چیزوں کا مالک ہوں اور اس کے بعد اللہ کا نام ہے

حضرت علیؓ کے اس جواب سے رسالتمآبؐ کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اور فرمایا۔ تلوار تم کسی طرح علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اپنی حفاظت و دشمنوں کا مقابلہ اسکو الگ کر دو گے تو بالکل

[illegible] البتہ ایک
نندہ باقی رہگئی۔ جو بظاہر ان دونوں چیزوں کے مقابلہ میں زیادہ کام کی نہیں۔ اسکی علیحدگی ممکن ہے۔ میں اس معاملہ میں تم کو جواب قطعی کچھ دیر کے بعد دیتا ہوں۔

اسوقت رسالتمآبؐ سیدھے سیدہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:۔

"علی تیری خواہش لیکر میرے پاس آیا ہے"

سیدۃ النساء اسوقت کلام اللہ پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنکر خاموش ہوگئیں۔ اور گردن جھکالی۔ چند لمحہ تک سرور کائناتؐ بیٹی کے چہرہ کو ملاحظہ فرماتے رہے لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو آپنے اس خاموشی کو رضامندی خیال فرمایا اور کہا:۔

"فاطمہ کی خموشی اسکی رضامندی ہے"

سیدۃ النساء اپنے محترم باپ کے یہ الفاظ سنکر اور بھی زیادہ شرما گئیں اور چہرہ چھپا لیا۔ رسالتمآبؐ نے اسوقت یہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور پھر ام سلمہ کے گھر میں تشریف لائے۔ ایک کونہ میں خاموش بیٹھ گئے۔

فاطمہ کے نکاح پر بعض مصنفین اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ نکاح پہلے آسمان پر ہوا اور اسکے بعد زمین پر انجام پایا۔ غالباً اسی روایت نے عورتوں کے دل میں یہ خیال راسخ کردیا ہے کہ ہر لڑکی کا نکاح پہلے آسمان پر ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد زمین پر۔ بہرحال ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تعجب کیا ہے جو رسالتمآبؐ اس نکاح میں خدا کی مرضی معلوم کرنے کے منتظر رہے ہوں۔ اور صاحب خمیس کی رائے کے بموجب ان کو اس عقد میں ادھر سے بھی اجازت ملی ہو۔ المختصر تھوڑی دیر بعد رسول اللہؐ کونہ سے اُٹھے اور حضرت علی کے پاس تشریف لاکر فرمایا میں فاطمہ کو تمہارے نکاح میں دینے پر رضامند

۱؎ ابن جوزی ۹۲

اتنا سنتے ہی حضرت علی کا چہرہ خوشی کے مارے کھل گیا وہ ہشاش بشاش ام سلمہ کے گھر سے باہر نکلے اور زرہ کے بیچنے کا ارادہ کیا کہ دفعتہً ابو بکر صدیق اور عمر فاروق ان سے آ ملے۔ اور پوچھا کہ فاطمہ کے بارہ میں رسول اللہ نے کیا جواب دیا۔ حضرت علی کے چہرہ کی بشاشت اور خوشی جو اسوقت ظاہر ہو رہی تھی دونوں کے سوال کا جواب تھا۔ حضرت علی نے مفصل کیفیت بیان کی اور کہا کہ رسول اللہ ابھی مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ تاکہ نکاح کا اعلان ہو جائے۔

دونوں بزرگ مع حضرت علی کے مسجد میں تشریف لائے۔ ابھی اندر نہ داخل ہوئے تھے کہ سرور کائنات بھی تشریف لے آئے اور بلال سے کہا کہ مہاجر و انصار کو جمع کرو چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں فوراً تمام مہاجر و انصار جو وہاں موجود تھے جمع ہو گئے۔ رسول اللہ اس وقت ممبر پر تشریف لائے۔ خطبۂ نکاح پڑھا اور فرمایا میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کو چار سو مثقال کے عوض علی کے نکاح میں دیا۔ اسکے بعد حضرت علی سے فرمایا۔ علی اٹھو اور خطبہ کے قاعدہ کو بجا لاؤ۔ چنانچہ حضرت علی اٹھے اور کہا تحقیق میرا نکاح محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی ارجمند صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ چار سو مثقال بھر کے عوض کر دیا۔ جو بخوشی مجکو منظور ہے۔ مسلمانوں کی جماعت اس نکاح کی گواہ رہے۔

حضرت علی کے اس اعلان پر چاروں طرف سے دعا کی آوازیں آنے لگیں۔ نکاح کی تاریخ میں اختلاف ہے حافظ مغلطائی اور احمد ابن عبد اللہ ہجری لکھتے ہیں صفر میں ہوا۔ اصحابہ کی رائے ہے کہ محرم اور کتاب خمیس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب۔ ابو عمر کا بیان ہے کہ یہ نکاح واقعہ بدر کے بعد شوال ۳ھ ہجری میں ہوا۔ اسی طرح رقم مہر میں بھی صاحب ناسخ التواریخ کے قول کے بموجب تھوڑا سا اختلاف ہے وہ چار سو مثقال

کی فراغت پاچکے تو بعد رخصت انحضرت حضرت علی سے فرمایا کہ جاؤ اور

زرہ بیچ ڈالو اور اسکی قیمت مجھے لادو۔ چنانچہ حضرت علی زرہ ساتھ لیکر بازار میں آئے عثمانِ غنی نے وہ زرہ خریدی اور چار سو مثقال حضرت علی کو دئے۔ جب حضرت عثمان قیمت دے چکے اور زرہ ان کے قبضہ میں آگئی، مثقال حضرت علی نے گن کر رکھہ لئے تو عثمان غنی نے حضرت علی سے کہا۔ علی یہ زرہ تم کو مجھ سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ روپیہ بھی لیجاؤ اور زرہ بھی۔ میں نے قاعدہ شرعی کے موافق اس لیئے کہ زرہ اب میری ملکیت ہے تم کو ہبہ کی حضرت علی نے وہ زرہ لے لی اور مثقال چادر کے ایک کونہ میں باندہ کر رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور از ابتدا تا انتہا تمام واقعہ عرض کیا۔ جس وقت رسالت مآب نے حضرت عثمان کا حال سُنا تو آپ نے اپنے دستِ مبارک آسمان کی طرف اُٹھائے اور حضرت عثمان کے حق میں دعائے خیر کی۔ اسوقت رسالت مآبنے بغیر گنے دونو مٹھیاں بھر کر درم حضرت ابو بکر کو دئے اور فرمایا جاؤ فاطمہ کی روانگی کی تیاریاں کرو۔ ابو بکر صدیق کا بیان ہے۔ میں نے گنا تو وہ مثقال تین سو ساٹھ تھے۔ میں نے ایک بچھونا ایک چمڑے کا تکیہ جسمیں اون بھرا ہوا تھا۔ ایک مٹی کا پیالہ چند مٹی کے آبخورے ایک پردہ یہ سب چیزیں خریدیں اور لیکر سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس موقعہ پر صرف صاحب ناسخ التواریخ کے بیان میں تھوڑا سا اضافہ ہے۔ وہ اس تمام سامان کو تسلیم کرنے کے بعد دو چاندی کے بازو بند بھی لکھ رہا ہے۔

ابو بکر صدیق فرماتے ہیں جب میں یہ سامان لیکر سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنے تمام سامان ملاحظہ فرمایا۔ اور چشم مبارک میں آنسو آگئے۔ اُسوقت آپنے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا:۔

"یہ الٰہی برکت دیجو اس قوم کو جس کا بہتر سامان مٹی کے برتن ہوں"

سے دیا گیا سیدہ کا جہیز، اور جس کی تفصیل وہ اس طرح سے کرتا ہے:۔

ایک چکی دو پاجامے دو مٹکے ایک بدنی ایک بستر ایک جانماز اور کلام اللہ کی چند سورتیں۔

اب رسول اللہ نے حکم دیا کہ فاطمہ کے نکاح کی خوشی میں دف بجایا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور دف بجنے لگا۔ رسالت مآبؐ اسوقت بی بی فاطمہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ غمگین اور خاموش بیٹھی تہیں۔

بہت ممکن ہے کہ یہ خموشی بی بی فاطمہ کو میکے کی مفارقت سے ہو مگر صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ اسوقت رسول اللہ نے سیدہ کو تسکین دی اور یہ فرمایا۔

کہ "فاطمہ اللہ غنی و نعم الفقل ع بیٹی دنیا کی تکلیفیں چند روزہ ہیں۔ خدا کے ہاں جا کر آرام کر لینا۔"

ہم کو ناسخ التواریخ سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں ہے۔ اور ناسخ التواریخ ہی نہیں اصحابہ نے بھی اسوقت کی گفتگو میں جو کچھ لکھا ہے اسمیں بی بی فاطمہ کی افسردگی میں افلاس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام خموشی اور رنج وملال صرف اسلیئے تہا کہ حضرت علی مفلس تھے لیکن وہ پاک بی بی جس نے بچپن ہی میں اپنی عادات وخصائل سے ظاہر کر دیا تھا کہ دولت رغبت کی چیز نہیں۔ ہر گز اس خیال سے ملول نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے یہ خموشی صرف اس جدائی کی تھی جو ہر لڑکی کو وداع کے وقت ہوتی ہے اور رسول اللہ نے بھی اسی کے متعلق تسکین فرمائی۔ ہاں رسالت مآبؐ نے اس لیئے کہ وہ بشر تھیں۔ یہ خیال فرمایا ہوگا کہ شاید فاطمہ علی کے افلاس سے خموش ہے اور تسکین میں اس طرف اشارہ کر دیا ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ شوہر کے افلاس سے کبیدہ

[illegible]

بعد ایک روز سرور کائنات نے سیدہ کو ملول پایا تو دریافت کیا کہ فاطمہ خاموش کیوں ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ قریش کی عورتیں مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ تیرا باپ اور شوہر دونو فقیر ہیں جسکے جواب میں رسول اللہؐ نے بی بی فاطمہ کی بہت تسکین فرمائی اور کہا تیرا شوہر اہل بیت میں سب سے بہتر ہے۔

افسوس ہم کو اس سے بھی اتفاق نہیں۔ سیدہ کی بابت یہ خیال کرنا کہ وہ اس عقد سے ملول تھیں۔ ان کی تمام صفات حسنہ کو بٹہ لگاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قریش کی عورتوں نے طعنہ دیا ہو۔ لیکن اس طعنہ کا اتنا اثر کہ بی بی فاطمہ جیسی خاتون اس سے اس درجہ متاثر ہوتی کہ رسول اللہ سے شکایت کرتی۔ قرین قیاس نہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ ایک صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"ایک روز ایک سائل حضرت علی کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ اپنی ماں سے کھو جو رکھا ہے اسکو دیدیں۔ چنانچہ وہ اندر گئے اور واپس آکر کہا کہ وہ فرماتی ہیں کہ یہ درم ہم نے آٹے کے واسطے رکھا ہے۔ اسپر حضرت علی نے پھر دوبارہ بھیجا اور کہا انہیں فوراً دیدو۔ چنانچہ وہ درم دیدیا گیا"

ان واقعات کا یقین کرنا سر تا سر غلطی ہے۔ ہم کو حضرت علی کی سخاوت اور ایثار سے انکار نہیں مگر سیدہ کا ایثار اپنے نیک شوہر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ نا ممکن تھا کہ حضرت علی ایک سائل کو نہ بھیجتے اور بی بی فاطمہ اپنی ضرورت کا عذر کرکے اسکو ٹال دیتیں۔ دوسرے حضرت علی کے حکم سے انکار بھی ایک ایسا الزام ہے جس سے سیدہ کا دامن ہم کو بالکل پاک نظر آتا ہے۔

ہم اس بحث کو اسی جگہ ختم کرتے ہیں۔ ان کے ایثار کی تفصیل میں اسپر پوری روشنی

جواب باقی رہے تھے حضرت علی کو دیدئے کہ چھوہارے اور پنیر لے آؤ۔ حضرت علی فرماتے ہیں میں بازار گیا۔ پانچ درم کا گھی خریدا چار کے چھوہارے اور ایک کا پنیر اور یہ سب چیزیں لاکر رسالت مآب کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ نے سب کو ملاحظہ فرما کر دسترخوان طلب کیا اور ان کو ملا کر حیس بنایا اور مجھ کو حکم دیا باہر جاؤ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر بلا لاؤ۔ چنانچہ میں اس حکم کی تعمیل میں باہر گیا۔ اور جو لوگ ملے ان کو اندر بلا کر کھانا کھلایا۔ جب یہ لوگ کھا کر چلے گئے تو آپ نے ایک مٹی کا پیالہ مانگا اور اسکو حیس سے بھر کر فرمایا یہ فاطمہ اور اسکے شوہر کا ہے۔ اسکے بعد ازواج مطہرات کو دیا اور ام سلمہ کو فرمایا۔ جاؤ فاطمہ کو بلا لاؤ۔ وہ اٹھیں اور جا کر سیدۃ النساء کو اپنے ہمراہ لائیں۔ اس وقت سیدہ کے چہرے سے پسینہ بہ رہا تھا۔ قریب پہنچیں تو رسول اکرم نے وہ ردا جو بطور برقع کے چہرہ پر تھی ہٹائی اور اپنے سینہ پر بائیں طرف سیدہ کا سر رکھا پیشانی پر بوسہ دیا اور حضرت علی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر فرمایا۔

"یہ علی پیغمبرؐ کی بیٹی تجھے مبارک ہو"

اسکے بعد سیدۃ النساء کی طرف منہ کیا اور فرمایا:۔

"فاطمہ تیرا شوہر بہت اچھا شوہر ہے"

اس کے بعد آپ نے فرمایا تھوڑا سا پانی لاؤ۔ جب پانی آگیا تو آپ نے اس میں سے تھوڑا سا پھینکدیا۔ کچھ دعا دم کی اور حضرت علی سے کہا۔ علی اس میں سے تھوڑا سا پی لو۔ اور تھوڑا سا چھوڑ دو۔ چنانچہ حضرت علی نے پانی پیا اور تھوڑا سا چھوڑ دیا۔ جو باقی رہا تھا وہ سینہ اور منہ پر چھڑکا اور تھوڑا سا پانی حضرت علی سے اور طلب فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت فاطمہ کے واسطے دعا کی اور ان کو پلایا۔ اسکے بعد حضرت علی اور رسول اکرم مسجد میں تشریف لے آئے۔ اور نکاح سے فراغت پائی +

کی وداع

عقیل نے کہا۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم رسول اکرم سے درخواست کریں کہ فاطمہ کو وداع کر دیں۔ حضرت علی نے فرمایا میری دلی خواہش بھی یہی ہے مگر کیا کروں مجھ کو رسالت مآب سے عرض کرتے ہوئے کچھ شرم سی معلوم ہوتی ہے۔ عقیل نے کہا چلو میں اور تم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ التجا پیش کریں حضرت علی کو حجاب دامنگیر تھا۔ مگر عقیل کے زیادہ اصرار سے رضامند ہو گئے۔ اور دونو اس درخواست کو پیش کرنے کے واسطے روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپکی کنیز ام ایمن ملیں اور دریافت کیا کہ علی اور عقیل کدہر کا قصد ہے۔ حضرت علی خاموش ہو گئے۔ مگر عقیل نے مفصل کیفیت ظاہر کر دی۔ اور کہا رسول اکرم کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہونے جاتے ہیں کہ فاطمہ کی وداع کی درخواست پیش کریں۔ ام ایمن نے کہا میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ پہلے ازواج سے مشورہ کر لو۔ اگر وہ بھی اس رائے سے اتفاق کر لیں تو بہت اچھا ہوگا۔

عقیل نے اس رائے کو پسند کیا اور حضرت علی نے بھی یہ ہی بہتر خیال کیا اور یہ تینوں عقیل ام ایمن اور حضرت علی سب سے پہلے ام سلمہ کے گھر گئے اور ام ایمن نے ان سے مفصل کیفیت بیان کی ام سلمہ یہ سنکر بہت خوش ہوئیں اور دونوں کو ساتھ لیکر تمام ازواج مطہرات کو اس مشورہ میں شریک کیا اور بالآخر یہ جماعت عائشہ صدیقہ کے پاس پہونچی۔ جہاں رسالت مآب تشریف فرما تھے۔ کچھ دیر تک مختلف معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد ام سلمہ نے بی بی خدیجہ کا تذکرہ شروع کیا اور کہا اگر اسوقت وہ زندہ ہوتیں تو فاطمہ کے نکاح کی ان کو کس قدر مسرت و شادمانی ہوتی، رسالت مآب کی چشم مبارک میں آنسو آگئے اور آپنے فرمایا خدیجہ کا مثل کہاں سے لاؤں۔ اس نے میری تصدیق ایسے وقت میں کی۔ جب دنیا مجھے جھٹلا رہی تھی۔ اس نے اپنا مال اسوقت جب سب مجھ کو محروم کر

یارسول اللہ معبودِ حقیقی اب ہم سب کو ان سے جنت الفردوس میں ملائے۔ تمام بیبیوں نے اسپر کہا آمین۔ اور اس کے بعد ام سلمہ نے کہا یارسول اللہ آپ کے بھائی اور چچا کے لڑکے علی اپنی بیوی فاطمہ کے وداع کے واسطے درخواست کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ باہر کھڑے ہیں رسالت مآب نے فرمایا۔ مجھے آجتک علی نے اسکے متعلق کبھی کچھ نہ کہا۔ جاؤ ان کو بلا لاؤ۔ ام سلمہ نے کہا آپ علی سے اچھی طرح واقف ہیں، شرم نے ان کے منہ پر مہر لگا رکھی ہے اور وہ کچھ عرض نہ کر سکے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئیں اور حضرت علی کو آواز دے لی۔ جب حضرت علی سامنے آئے تو رسول اللہ نے سلام کا جواب دیکر فرمایا۔ علی کیا تم چاہتے ہو کہ میں فاطمہ کو رخصت کر دوں۔ رسالت مآب کے اس استفسار کے جواب میں حضرت علی نے کوئی جواب نہ دیا گردن جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں اور امہات المومنین نے جو اسوقت موجود تھیں عرض کیا کہ شرم علی کو اجازت نہیں دیتی۔ مگر یہی خواہش ان کو اسوقت یہاں لائی ہے۔ سرور کائنات نے حکم دیا کہ جاؤ فاطمہ کو بلا لاؤ۔ چنانچہ ام ایمن جا کر بی بی فاطمہ کو بلا لائیں

یہاں ناسخ التواریخ اصابہ عبداللہ ہجبری کے اقوال میں اختلاف ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ اور عبداللہ کا بیان ہے کہ پہلے امہات المومنین نے بی بی فاطمہ کو نہلا دھلا کر دلہن بنایا اور اسکے بعد لائیں۔ مگر اصابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوراً بلا لی گئیں الغرض جب بی بی فاطمہ تشریف لے آئیں تو سرور کائنات نے حضرت علی کو سیدھے ہاتھ کی طرف بٹھایا اور بی بی فاطمہ کو الٹے ہاتھ کی طرف، اسکے بعد دونوں کو کچھ نصیحتیں کیں جو حقوق زوجین کے متعلق تھیں لیکن افسوس ان نصیحتوں کی تصریح میں سب خاموش ہیں صرف ملا حسین شیرازی اتنا لکھتا ہے کہ پہلے آپ نے حضرت علی سے فرمایا۔ علی فاطمہ کے رضامند رکھنے کی ہمیشہ کوشش کیجو اور پھر بی بی فاطمہ سے یہی الفاظ فرمائے۔ اس کے بعد آپ

بی بی فاطمہ اسپر سوار ہو کر وداع ہو گئیں۔ یہاں بھی تھوڑا سا اختلاف نظر آرہا ہے ایک
بیان یہ بھی ہے کہ ام سلمہ سے کہا فاطمہ کے حجرہ میں جھاڑو بہارو دیدو۔ اور بی بی فاطمہ
اسروز نہیں بلکہ اس کے تیسرے روز وداع ہوئی ہیں۔ مگر پہلا بیان زیادہ درست معلوم
ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی پر زیادہ اتفاق ہے۔ اسما بنت عمیس اسوقت موجود تھیں انہوں نے
عرض کیا یا رسول اللہ لڑکیوں کو وقت بے وقت کے واسطے کسی بڑی بوڑھی کی
ضرورت ہوتی ہے۔ جس وقت ام المومنین بی بی خدیجہ کی حالت خراب ہوئی ہے
اور ان کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر تھی میں نے دیکھا کہ وہ چپکے
چپکے رو رہی ہیں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اسوقت آپ کیوں رو رہی ہیں
آپ پیغمبر آخرالزماں کی بیوی اور وہ بیوی کہ آپکے احسانات کا رسالتمآب نے بارہا اعتراف
کیا۔ آپ کی تمام خدمات کا معاوضہ اب آپ کو ملے گا۔ یہ وقت رونے کا نہیں ہے۔ تو
آپنے فرمایا اسما! دلہنوں کو شوہروں کے ہاں جا کر پہلے پہلے عقل مند ساتھ والیوں
کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیا گھر ہوتا ہے۔ نئے لوگ ہوتے ہیں۔ اور زندگی کا اصلی
دور اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ دل گھبراتا ہے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ ساتھ
والیاں اسلیئے جاتی ہیں کہ ماں باپ سے چھوٹی ہوئی بچی اور گھر بار سے بچھڑی ہوئی دلہن کا دل
بہلالیں۔ میری بیٹی فاطمہ بچہ ہے۔ خبر نہیں اسکی شادی کس عمر میں ہو اور اسکو اسوقت
جب یہ اس گھر سے رخصت ہو کر ایک نئی دنیا میں قدم دھرے۔ کوئی شائستہ عورت
میسر ہو یا نہو۔ یہ ہے وہ خیال جو اسوقت مجھ کو رلوا رہا ہے۔ اور یہ ہے وہ حسرت جسکو
میں اپنے ساتھ لیجاتی ہوں۔ میرے عزیزوں میں کوئی بیوی اس لائق نہیں جو میری وفات
کو منظور کرتی۔ اور مجھ سے وعدہ کرتی کہ جوقت فاطمہ کے سر پر میں نہ ہوں گی اور

فاطمہ اسوقت کلام اللہ پڑھ رہی تھی۔ انہوں نے اسکو اپنے پاس بلاکر کلیجہ سے لگایا اور کہا
میں اپنی اس بچی کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ وہی سب سے بہتر ساتھ والا اور ناصر ومددگار
ہے۔ وہی اس کا دل بہلائے گا۔ اور غم غلط کرے گا۔ ام المومنین کے رونے کا مجھپر بھی بہت
اثر ہوا۔ اور میں بھی روتی رہی۔ اسکے بعد میں نے عرض کیا "ام المومنین میں آپ سے وعدہ کرتی
ہوں کہ اگر اسوقت میں زندہ رہی تو اس خدمت کو بجالاؤں گی" انہوں نے مجھ کو دعا دی اور
میرا شکریہ ادا کیا۔ یارسول اللہ آج اس وعدے کے پورا کرنے کا وقت ہے۔ اجازت دیجئے
کہ میں فاطمہ کے ساتھ جاؤں۔

رسالتمآب نے بہ چشم پرنم اسما کی اس درخواست کو منظور فرمایا ان کے واسطے
دعا کی اور وہ بھی بی بی فاطمہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اس واقعہ کی نسبت صاحب
ناسخ التواریخ لکھتا ہے کہ اسما بنت عمیس اسوقت موجود نہ تھیں۔ بلکہ یہ واقعہ سلمیٰ خواہر اسما
کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اسموقع پر صاحب ناسخ التواریخ کا یہ قول نقل کرنا بے محل نہ ہوگا
کہ جس وقت رسالتمآب نے بی بی فاطمہ کو وداع کیا ہے اور ان دونوں میاں بی بی کو
نصیحت فرمائی ہے انہیں حضرت علی سے یہ بھی فرمایا تھا۔

"یا علی! فاطمہ کی زندگی میں تم پر دوسری عورت حرام ہے" ناسخ التواریخ کے
اس قول سے ہم کو اتفاق نہیں۔ یہ ارشاد احکام الٰہی کے خلاف ہے۔ اور کسی دوسری کتاب سے
بھی اسکی تائید نہیں ہوتی۔ صحیحین اور اصحابہ اسپر متفق ہیں کہ آپنے یہ فرمایا:۔

"یا علی! فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اگر تم اسکو خوش رکھوگے تو گویا مجھے خوش رکھا
اور اسکو رنج دیا تو گویا مجھ کو رنجیدہ کیا"

ظاہر ہے نکاح ثانی بی بی فاطمہ کی زندگی میں حضرت علی کا ایک ایسا فعل ہوتا

فلسفۂ ازدواج پر بحث کرنی مقصود نہیں ہے اسلئے ہم ناسخ التواریخ کے اِس قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت علی کا گھر اس گھر سے جہاں سے بی بی فاطمہ رخصت ہوئیں کچھ زیادہ دور نہ تھا بہت قریب ایک حجرہ تھا۔ جہاں یہ دونوں میاں بیوی رہنے سہنے لگے۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ دوسرے روز جب ہم دونو میاں بیوی اپنے حجرے میں بیٹھے تھے۔ دفعتہً حضور اکرمؐ تشریف لے آئے۔ میں اور فاطمہ دونو تعظیم کے واسطے اٹھنے لگے تو آپنے منع فرمایا۔ اور ہم دونوں کو نہ اٹھنے دیا۔ اور ہمارے بیچ میں آکر لیٹ گئے کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسکے بعد آپ نے تھوڑا سا پانی منگوایا اور اسپر کوئی دعا دم کی اور اسکے دو تین چھینٹے میرے اور فاطمہ کے منہ پر دئے اور فرمایا۔ دنیا اور دنیا کی زندگی دنیا اور اسکی کل کائنات فانی ہے۔ یہاں کسی چیز کو قرار نہیں بیٹی اگر تجھ کو معلوم ہوجائے وہ بات جو مجھ کو معلوم ہے۔ تو دنیا تیری نظروں میں ہیچ ہوگی۔ فاطمہ تیرا شوہر علم و حلم کے اعتبار سے تمام اصحاب میں بہتر ہے۔ تیرا باپ اور شوہر دونو فقیر نہیں ہیں۔ مگر خدا کو رضامند رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اسکے بعد آپ اٹھے اور مجھ کو اپنے ساتھ باہر تک لیگئے۔ اور فرمایا۔ علی تیری بی بی فاطمہ بہترین عورتوں میں سے ہے۔ یہ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے اور اسکی خوشی عین میری خوشی ہے۔ میری آنکھیں نیچی تھیں اور میں شرم کے مارے کچھ جواب نہ دے سکتا تھا۔ جب تین دفعہ رسالت مآبؐ نے فرمایا تو میں نے صرف اتنا عرض کیا:۔

صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ — اے خدا کے رسول تو سچا ہے۔

بی بی فاطمہ کا

اس زمانہ کے گھر آجکل کے گھروں کی طرح دری اور قالینوں سے آراستہ

علل الشرائع ابوہریرہ کی روایت سے ایک واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ حضرت علی سے
جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا فاطمہ جس طرح بہترین مخلوق خدا ہے اسی طرح
بہترین گھروالی اور یہی نہیں وہ جس طرح خدا کی عبادت فرض خیال کرتی ہے۔ اسی طرح
میری رضامندی اور گھر کی صفائی ستھرائی۔ اسکا گھر دیبا و حریر سے محروم ہے
لیکن جھاڑو کی ضرورت اسمیں کبھی محسوس نہیں ہوتی۔ اسکی چکی گرد و غبار کا انبار اور ہمارا بچھونا خاک
کا تودہ نہیں ہوتا۔ وہ نماز صبح سے پہلے اپنے بچھونے تہ کر کے رکھدیتی ہے اور اپنے مٹی
کے برتنوں کو جھاڑ پونچھ کر صاف کر لیتی ہے۔ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا کہ میں کھانے
کے واسطے اس توقع پر گھر جاؤں کہ کھانا تیار ہوگا۔ اور محروم پھروں۔ اسکی ردا میں
کتنے ہی پیوند ہوں مگر وہ لاپروائی سے چکٹ نہیں ہوتی۔ اور اس کا تکیہ خواہ کتنا ہی
بوسیدہ ہو مگر جو کی بھوسی اسپر کبھی نہیں ہوتی۔

ابوہریرہ کی یہ روایت ثابت کر رہی ہے کہ بہتر سے بہتر سلیقہ شعار لڑکی زیادہ
سے زیادہ اتنی ہی خدمت گھر کی کرسکتی ہے۔ اور یہی انتہائی سلیقہ ہے جو ایک گھر والی کو کرنا
چاہیئے۔ جس کی بابت اسکے شوہر کی رائے اتنی اچھی ہو۔

جب غزوہ بدر کی کچھ قیدی عورتیں حضور اکرم کی خدمت میں آئی ہیں۔ اس موقع پر
بی بی فاطمہ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا۔ کہ باہر کے تمام کام علی سے متعلق ہیں اور گھر کے
کاروبار میری ذات سے۔ میرے دونوں ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹے پڑ گئے ہیں اگر
ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو جائے تو وہ میری ایسی بہن ہوگی جو گھر کے کام کاج میں مجھ کو
مدد دے آپنے فرمایا۔ فاطمہ میں تجھ کو ایک ایسی چیز بتاتا ہوں جو اس بہن سے زیادہ اچھی
ہوگی اور وہ یہ کہ سبحان اللہ تینتیس بار الحمد للہ تینتیس بار اللہ اکبر چونتیس بار اس

دن میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کر یہ تیری ایک ایسی امانت خدا کے پاس محفوظ رہے گی جو دنیا میں بہت سے زیادہ معین اور آخرۃ میں تیری مغفرت کا باعث ہو گی۔

ہم نے بی بی فاطمہ کے متعلق پچھلے موقعوں پر دو ایک واقعات سے انکار کیا ہے اور جو شان سیدۃ النساء کی ہم کو دکھانی مقصود ہے، اسپر اس سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سیدہ خانہ داری کی تکلیف سے کیوں اکتا گئیں۔ جو ایک لونڈی کی طالب ہوئیں۔ مگر ہم بی بی فاطمہ کو فرشتہ تسلیم نہیں کرتے۔ ہم ان کو خاصہ لوازم بشری کے ساتھ بشر مان رہے ہیں اور اگر یہ دیکھ کر کہ رسالت مآب لونڈیاں تقسیم کر رہے ہیں۔ وہ کام کی کثرت یا تنہائی کی تکلیف سے گھبرا کر ایک لونڈی کی طالب ہوئیں۔ تو اس سے ان کی پاک زندگی پر کسی قسم کا بٹہ نہیں لگتا کیونکہ باوجود اسکے کہ حضرت علی نے صریح الفاظ میں فرمایا کہ مجھ کو فاطمہ نے کبھی رنج نہ پہنچایا یہاں تک کہ انتقال ہو گیا ہم کو ایسے واقعات کا بھی پتہ لگ رہا ہے کہ کبھی کبھی ان دونو میاں بیوی میں بدمزگی ہوئی اور یہ تقاضاء بشریت تھا ہوا۔ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے تھا چنانچہ صاحب علل الشرائع لکھ رہا ہے کہ ایک روز سرور عالم نے نماز صبح مسجد نبوی میں پڑھی۔ اور نماز کے بعد بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اسوقت آپ کے چہرہ پر کچھ آثار غم نمایاں تھے لیکن جب آپ واپس تشریف لائے تو چہرہ بشاش تھا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اداس تشریف لے گئے اور خوش خوش تشریف لائے۔ اسکی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان دونوں میاں بیوی میں ملاپ کروا دیا۔ کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ اسی طرح علل الشرائع کے حوالہ سے ایک واقعہ کی صداقت کا ذمہ دار نشان ہے کہ ایک موقعہ پر میاں بیوی کے اختلاف رائے کا علم حضور اکرم کو ہوا آپ تشریف لے گئے دونو کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔ اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

اور آتا کہاں سے۔ وہی کنواں کھودنا اور پانی پینا۔ حضرت علی کی مالی حالت بچپن ہی سے اچھی نہ تھی۔ عزیزوں نے انکی پرورش کی اسکے بعد رسالت مآب ؐ کی آغوش شفقت میں آگئے اب جو کچھ تھا وہ یہ تھا کہ جو دن بھر کمایا وہ شام کو لے آئے۔ بعض دفعہ یہاں تک ہوا کہ آبپاشی کے واسطے کنوئیں سے پانی بھرا ہے اور فی ڈول ایک کھجور کے حساب سے اُجرت لی ہے اور وہی کھجوریں اپنا اور بی بی فاطمہ کا کھانا ہو گیا ہے۔ لیکن اناج وغیرہ کے نصیب ہونے پر جو اچھی بیبیوں کا فرض ہے آئیں جناب سیدہ کی طرف سے کبھی کوتاہی نہیں ہوئی حضرت علی کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر مجھ کو صبح سے شام تک کچھ میسر نہ آسکا۔ میں اور فاطمہ رض دونو آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ خیال آیا کہ سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر کچھ شرم سی آئی اور نہ گیا۔ میں سڑک پر متحیر کھڑا تھا۔ آفتاب ڈوبنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور مجھ کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ یہ رات بھی مجھپر اور میرے ساتھ رسول زادی پر فاقے سے بسر ہوگی کہ دفعۃً کچھ اونٹ سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دئے۔ یہ ایک تاجر کا اسباب تھا۔ میں بھی ان اونٹوں کے ہمراہ تھوڑی دور گیا اور جب سوداگر کو اونٹوں پر سے اسباب اتروانے کی ضرورت ہوئی تو اس نے مجھے بھی مدد دینے کو کہا۔ چنانچہ میں نے اس کا اسباب اتروایا اس عرصہ میں رات تقریبًا ڈھائی تین گھنٹے جا چکی تھی۔ جب میں فارغ ہوا تو سوداگر نے مجھ کو ایک درم دیا۔ میں نہایت خوش ہوا۔ مگر ڈر رہا تھا۔ کہ کہیں دکانیں نہ بند ہو گئی ہوں۔ اسوقت صرف ایک جگہ سے مجھ کو تھوڑے سے جو میسر آسکے جو میں نے خریدے اور لپکا ہوا گھر آیا۔ بی بی فاطمہ نے خندہ پیشانی سے وہ جو میری جھولی میں سے لئے۔ اسیوقت انکو پیسا اور روٹی پکا کر میرے آگے رکھی۔ جب میں سیر ہو چکا ہوں تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کہا بیشک رسول اللہ ؐ کا ارشاد درست ہے کہ فاطمہ

جناب فاطمہ اور حضرت علی کو دو دو وقت سے کوئی غذا میسر نہ آئی تھی تو میں تھوڑا سا کھانا
سیدہ کی خدمت میں لیکر گیا۔ اسوقت حضرت علی گھر پر موجود نہ تھے۔ سیدہ نے وہ کھانا لے لیا
اتنے میں حضرت علی بھی تشریف لے آئے اور گھر میں سے ہو کر میرے پاس آگئے
باتیں کرنے لگے۔ میں نے کہا آپ جایئے اور کھانا کھایئے تو حضرت علی نے کہا جب تک
فاطمہ کھانا گرم کر رہی ہے۔ اسوقت تک میں تم سے باتیں کر لوں۔

حسن بصری کے حوالہ سے حضرت علی کا بیان ہے کہ باوجود کثرت عبادت کے مجھ کو
گھر کے کام دہندوں میں فاطمہ سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔ ایک دفعہ جب میں نے دیکھا
کہ چکی پیستے پیستے بی بی فاطمہ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں تو میرا دل بھر آیا اور میں نے
کہا کہ فاطمہ مشکیں ڈھوتے ڈھوتے میرے کندھے بھی شل ہو گئے۔ چلو آج ہم حضور اکرم کی
خدمت میں چلیں۔ اور تم ایک لونڈی کی درخواست کرو۔ چنانچہ ہم گئے اور سیدۃ النساء نے
درخواست کی۔ رسالت مآب نے سنا اور فرمایا۔ فاطمہ اسوقت مسجد میں چار سو آدمی ایسے موجود
ہیں جن کے پاس کھانے کو ٹکڑا ہے نہ پہننے کو چیتھڑا۔ گھر کا کام خود انجام دے اور
بیوی ہونے کی فضیلت کو قایم رکھ۔ ایسا نہ ہو کل قیامت کے روز علی تجھ سے اپنا
حق طلب کرے +

ایثار سیّدہ کے ایثار پر بحث کرتے ہوئے ہمارا کلیجہ شق ہوتا ہے۔ یہ پاک روحیں
جن کے جسد خاکی آج خاک عرب میں آرام فرما رہے ہیں۔ انسانی دنیا کے واسطے فرشتۂ
رحمت تھیں۔ جن کی زندگیاں دوسروں کے واسطے بھی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں ان کا
ہر قول اور ہر فعل وہ سدا بہار پھول ہے۔ جسکو خزاں کبھی مرجھا نہیں سکتی۔ دنیا بدل جائے
آسمان لاکھوں چکر کھائے۔ مگر ان کے کارنامے ہماری آنکھوں سے چھپنے والے نہیں بی بی
خدیجہ کا یہ درخشندہ جوہر جو سرزمین عرب سے اٹھکر بساط دنیا پر قمر چہاردہم کی طرح جگمگایا

آجکل تمام دنیا کو مسحور کر رہی ہے۔ جس کا ملنے سوں نے مزاج نہ بگاڑا۔ اور بار بار افلاس نے

تیوری پر بل نہ آنے دیا۔ چاہیئے تھا کہ ابتدائی پرورش اور دولت کے ناز و نعم کے بعد

عسرت کو تکلیف سمجھتی مطلق نہیں وہ وقت خوشی سے اور یہ دن شکر میں بسر کر دئیے اور ثابت

کر دیا کہ

نہ غم اور نقصانی نہ شادی داد سامانی بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانی

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جماعت بنی سلیم میں سے ایک شخص ایک دفعہ سرور کائنات صلعم

کی خدمت میں حاضر ہوا اور آواز دی یا محمدؐ یا محمدؐ آپ نے جواب دیا اس نے کہا کہ کیا وہ جادوگر

تو ہی ہے جسکی بابت یہ مشہور ہے کہ سایہ نہیں پڑتا۔ مجھے اپنے بتوں کی قسم اگر یہ خیال ہوتا کہ

میری قوم خوش ہو گی تو اس تلوار سے گردن اڑا دیتا۔ حضرت عمرؓ یہ سنکر آگے بڑھے اور چاہتے

تھے کہ اسکی گستاخی کا جواب دیں آنحضرتؐ نے منع فرمایا اور اس سے کہا "میں خدا کا بندہ ہوں"

اور اس کا پیغام پہنچانے والا۔ اے بھائی عذاب آخرت سے ڈر اور دوزخ کی آگ کا خوف کر

پرستش کر اس ایک خدا کی جس کا کوئی شریک نہیں"۔ اس گفتگو کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ اعرابی ایمان

لے آیا اور مسلمان ہو گیا۔ رسالت مآب نے اسوقت اصحاب سے کہا کہ اسکو کچھ آیتیں قرآن

کی سکھا دو۔ جب وہ سیکھ چکا تو آپ نے فرمایا تیرے پاس کس قدر مال ہے۔ اس نے

کہا قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ ہم چار ہزار آدمی قبیلہ بنی سلیم

میں ہیں لیکن مجھ سے زیادہ فقیر کوئی نہیں۔ آپ نے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا تم میں سے کون

ایسا ہے کہ اسکو ایک اونٹ خرید دے۔ میں ضامن ہوتا ہوں کہ خدا اس کا بہتر بدلہ دیگا۔ سعد

بن عبادہ اٹھے اور کہا اے خدا کے سچے رسول میرے پاس ایک اونٹنی ہے۔ جو میں اسکو

دیتا ہوں۔ اسکے بعد سرور کائنات نے فرمایا۔ اب تم میں سے کون ہے کہ اس کا سر ڈھانک

دے۔ اور خدا کو راضی کرے۔ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا میرے ماں باپ فدا یہ تعمیل میں کرونگا

سامان دے۔ سلمان اٹھے اور اعرابی کو ساتھ لیکر نکلے۔ سب گھروں پر گئے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حالت یاس میں نگاہ حضرت سیدۃ النسار کے حجرے پر پڑی اور دروازہ کھٹکھٹایا سیدۃ النسار نے دریافت کیا کون ہے۔ جواب دیا کہ میں ہوں سلمان فارسی۔ پوچھا کیوں آئے ہو سلمان نے تمام واقعہ بیان کیا کہ اس اعرابی کے واسطے کھانے پینے کا سامان جمع کرنے نکلا ہوں سب گھروں پر ہو آیا۔ کوئی چیز موجود نہیں۔ طاہرہ ذاکیہ راضیہ سیدۃ النسار فاطمۃ الزہرا یہ سنکر روئیں اور فرمایا سلمان قسم ہے اُس خدا کی جسنے میرے باپ کو پیغمبر کیا۔ آج تیسرا روز ہے کہ ہم سب فاقہ سے ہیں۔ دونوں بچے حسن و حسین پریشان پھر رہے تھے۔ ابھی ابھی بھوکے سوئے ہیں لیکن سایل دروازہ پر آگیا۔ رد نہیں کر سکتی۔ اے سلمان یہ ایک چادر موجود ہے لے۔ اور شمعون یہودی کے پاس جا اور کہہ کہ فاطمہ محمدؐ کی بیٹی کی یہ چادر رہن رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دیدے سلمان اعرابی کو لیکر شمعون کے پاس آئے اور مفصل کیفیت بیان کی یہودی کچھ دیر تک چادر دیکھتا رہا۔ دفعتہً اُسپر ایک خالص حالت طاری ہوئی اور کہنے لگا۔

"اے سلمان یہی وہ لوگ ہیں جنکی خبر ہمارے پیغمبر موسےٰ نے ہم کو توریت میں دی۔ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لایا۔ اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں" اس کے بعد اناج سلمان کو دیا۔ اور وہ لیکر حضرت سیدۃ النسار کے پاس آئے۔ آپنے اپنے ہاتھ سے پیسا روٹی پکائی بعد سلمان کو دی سلمان نے کہا اسمیں سے تھوڑی سی روٹی بچوں کے لیے لے لیجیے فرمایا سلمان خدا کی راہ پر دے چکی۔ اب بچوں کے لیئے لینا مناسب نہیں۔ سلمان وہ روٹی لیکر سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تمام کیفیت بیان کی۔ رسالت مآب نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور سیدۃ النسار کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اداس دیکھا دریافت کیا معلوم ہوا کہ کھانا کھائے ہوئے تیسرا روز ہے حضرت سیدۃ النسار کو اپنے پاس بٹھایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔

"الٰہی فاطمہ تیری لونڈی ہے۔ اس سے راضی رہیو"

اندر داخل ہوا۔ بڈھا تھا اور مشکل سے چل سکتا تھا۔ بڑی دقت سے پاس آیا تو رسول اکرم نے
اس سے دریافت کیا کہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ بڈھے نے اپنی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں
رک رک کر کہا۔ اے پیغمبر بڈھا ہوں ہاتھ پاؤں جواب دے چکے محنت مزدوری کے قابل
نہیں بیکس ہوں کوئی عزیز یا دوست اتنا نہیں جو اس اڑے وقت میں سلوک کر سکے۔
بھوکا ہوں کھانا کھلا۔ اور کئی وقت سے ہوں پیٹ بھر کے دے۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک
مفلس ہوں کچھ خرچ دے۔ آنحضرتؐ نے کچھ دیر غور فرما کر جواب دیا اسوقت کچھ موجود
نہیں ہے مگر میں تجھ کو ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں، جو خدا کو پیارا سمجھتا ہے وہ
تیری مشکل میں کام آنے کی کوشش کرے گا۔ یہ فرما کر بلال کو اپنے پاس بلایا اور حکم دیا کہ
اسکو فاطمہ کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ بلال معہ عرب کے سیدہ کے پاس آئے اور آواز دی
سیدہ نے دریافت کیا کون ہے۔ سایل نے کہا میں ایک اعرابی ہوں مفلسی کی وجہ سے گھر سے
نکلا اور سید البشرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھ کو یہاں بھیجا ہے۔ اے محمد کی
لڑکی بھوکا ہوں۔ پیٹ بھر۔ ننگا ہوں بدن ڈھانک مفلس ہوں خرچ دے۔ رسول زادی
مجھپر رحم کر خدا تجھپر رحم کرے گا۔

سیدۃ النساء کی مالی حالت جسکا اوپر بیان ہوا ایسی نہ تھی کہ ان کے پاس ہر وقت
کھانا موجود رہتا۔ اتفاق سے اس روز بھی کچھ نہ تھا۔ مگر جب سایل اپنی درخواست ختم کر چکا
تو اٹھیں۔ مینڈھے کی ایک کھال دکھائی دی جسپر بچے سوتے تھے اٹھائی اور لاکر سایل
کو دی اور کہا خدا تجھ پر رحم کرے۔ اور اس سے بہتر دے۔ سایل نے کھال لے لی۔
مگر بھوک سے پریشان تھا۔ کہنے لگا۔ پیغمبر زادی میں بھوک کی شکایت پہلے لیکر
آیا ہوں۔ اسکے بعد لباس کی۔ میری پہلی شکایت کو رفع کر۔ جب تک پیٹ نہ بھرے

بی بی نے گلے سے جو پرانی تھی وہ اتار دی - اور اسکو دیکر کہا - اسکو فروخت کر اور اپنی ضرورتیں رفع کرلے سائل خوش ہوتا ہوا باہر نکلا - کنٹھی بیچی کھانا کھایا اور مسجد میں آکر دعا دی کہ الہی! فاطمہ محمدؐ کی بیٹی پر اسی طرح رحم کیجو - جس طرح اُس نے تیرے ایک بندے پر کیا - رسول اللہ صلعم نے یہ دعا سُنی اور جب سائل اپنی دعا ختم کرچکا تو آپؐ نے فرمایا آمین -

صاحب علل الشرائع امام حسنؓ کے الفاظ اس طرح ایک موقع پر نقل کر رہا ہے، اور یہ انتہائے ایثار ہے کہ میں نے اکثر نماز عشاء کے بعد اپنی محترم والدہ کو نماز صبح تک عبادت میں دیکھا وہ گریہ وزاری میں مصروف رہتی تھیں اور خوف خدا سے اس قدر روتی تھیں کہ ہچکی بندھ جاتی تھی - روتی تھیں اور دعا کرتی تھیں - مگر میں نے کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے اپنے واسطے کوئی دعا کی ہو - ان کی تمام دعائیں مخلوق خدا کے واسطے ہوتی تھیں وہ اپنے مال اور کھانے پینے ہی سے بندگان خدا کی خدمت نہ کرتی تھیں بلکہ دعا والتجا میں بھی ان کا حصہ اپنے سے ہمیشہ زیادہ رکھا - صرف ہمارے باپ حضرت علی اور ہم بچوں کے واسطے تو دعا ضرور ہوتی تھی - مگر اپنی ذات کے واسطے سوا رضامندی باری تعالیٰ کے میں نے انکی خواہش کبھی معلوم نہ کی ؟

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ ایک موقعہ پر جب کامل ایک دن اور ایک رات اسیطرح بسر ہوگیا کہ حضرت علی کو کہیں سے کچھ میسر نہ ہوسکا تو آپ دوسرے روز سہ پہر کے وقت کچھ سامان لائے - سیدۃ النساء نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا جب کھانا تیار ہوچکا تو سیدۃ النساء نے حضرت علیؓ کے واسطے کھانا نکالکر علیحدہ رکھا - اور اپنا حصہ الگ کیا، اتنے میں ایک فقیر نے آکر صدا دی اور کہا - سیدہ میں بھوکا ہوں اور اب تیسرے وقت بھیک مانگنے نکلا ہوں - آنکھیں نہیں ہیں کہ روٹی کما سکوں - لنگڑا ہوں اچھی طرح چل پھر نہیں سکتا بی بی فاطمہ نے سائل کی یہ صدا سُنی اور وہ کھانا جو اپنے واسطے رکھا تھا اٹھایا - اور یہ آیت پڑھتی ہوئی دروازہ تک آئیں - ویطعمون الطعام علی حبہ مسکین

باوجود انتہائے عبادت و ریاضت کے سب سے زیادہ تعجب انگیز بات جو میں نے فاطمہ میں دیکھی وہ یہ تھی کہ اس نے کبھی میرے حق میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا۔ وہ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں لیکن گھر میں اگر اناج موجود ہوتا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وقت سے پہلے کھانا تیار نہ ہو گیا ہو۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سیدہ بیمار تھیں۔ ابھی تیمم کی آیت نہ اُتری تھی کہ اسی حالت میں انہوں نے وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہو گئیں۔ مجھ کو اس رات نیند نہ آئی یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان دیدی اور میں نماز کو چلا گیا۔ واپس آکر دیکھا تو سیدہ نماز سے فارغ ہو کر چکی پیس رہی تھیں۔ میں نے کہا اے بنت رسول اللہ تھوڑی دیر آرام لیجئے ایسا نہ ہو مرض اور ترقی کر جائے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ دونو کام ایسے نہیں کہ مرض کو ترقی دیں خدا کی عبادت اور تمہاری خدمت مرض کا بہترین علاج ہے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی وجہ موت ہو تو اس سے بہتر اور کیا موت ہو سکتی ہے"

ایک موقعہ پر جب رسول اکرم مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے امام حسنؓ آئے اور آپ سے نہایت خموشی سے کچھ عرض کیا۔ رسالت مآب یہ سنکر ان کے ساتھ ہو لئے اور سیدہ کے گھر میں تشریف لا کر دیکھا کہ دونوں میاں بیوی خاموش ہیں۔ رسول اللہ نے حضرت علی سے پوچھا علی خاموش کیوں ہو۔ حضرت علی نے فرمایا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان فاطمہ مجھ سے اسلئے ناخوش ہیں کہ میں یامین یہودی کے پاس اسلئے جانا پسند نہیں کرتا کہ اس کا طرز سخن خوش اسلوب نہیں اور اسکے مقابلہ میں تکلیف اور فاقہ راحت اور سیری سے بہتر ہے۔ سیدہ چند لمحہ خاموش رہیں اور کہا یا رسول اللہؐ میں علی سے ناخوش کبھی نہیں ہوئی اور نہ میں ان سے ناخوش ہو سکتی ہوں ہاں میرا خیال یہ ضرور ہے کہ علی کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہیئے اور یامین کی باتوں پر دھیان نہ دھرنا چاہیئے۔

کافی ثبوت ہے کہ سیدۃ النساء کے دل میں شوہر کی عظمت حد سے زیادہ تھی اور جس طرح خدا کی رضامندی ان کی زندگی کا عین مقصد تھا اسی طرح شوہر کی رضامندی زندگی کا اول فرض +

عبادت سیدہ کی عبادت ان ہی واقعات سے جو اوپر لکھے گئے اچھی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ کس درجہ بڑھی ہوئی تھی مگر ملا حسن شیرازی لکھتا ہے کہ خانہ داری، شوہر کی خدمت، بچوں کی پرورش وغیرہ سے جس قدر وقت بچتا تھا اس کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر کرتی تھیں اور یہ ذکر اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ وہ دنیوی کاموں میں بھی زبان پر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کے حوالے سے علل الشرائع کا مصنف کہتا ہے کہ ایک موقعہ پر جب وہ گھر میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہ چکی پیس رہی ہیں۔ گود میں امام حسنؓ لیٹے دودھ پی رہے ہیں اور زبان سے کلام اللہ پڑھ رہی ہیں۔

جابر انصاری کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اکرم بی بی فاطمہ کے ہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اونٹ کی کھال کا ایک لباس ہے جس میں تیرہ پیوند ہیں وہ آٹا گوندھ رہی تھیں اور کلام اللہ ان کی زبان پر جاری تھا۔ رسالت مآب کی آنکھ سے اسوقت آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا:۔

بی فاطمہ دنیا کی تکلیفوں کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کا انتظار کر۔

ابوہریرہ ایک موقعہ کا ذکر حضرت علی کے حوالہ سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عید کا روز تھا اور امام حسن دوسرے بچوں کو اچھے کپڑے پہنے دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور ماں سے آ کر کہا کہ جب تک ہمارے کپڑے اجلے اور اچھے نہ ہوں گے۔ ہم عیدگاہ نہ جائیں گے۔ سیدہ نے بچہ کو گود میں لیا پیار کیا اور کہا یہ کپڑے میلے ہونے والے اور پھٹ جانے والے ہیں۔ تمہارے کپڑے تمہارے اللہ کے پاس ایسے موجود ہیں جن سے بہتر کوئی کپڑا نہیں ہو سکتا

سیدہ کی یہ فکر پہنچی کی وہ تسکین ہوئی کہ امام حسن کا تمام رنج جاتا رہا۔

امام حسن بصری کی ایک روایت ایسی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عشا کے بعد اکثر صبح تک خدا کی یاد میں مصروف رہتی تھیں اور اسکے بعد اب ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ سیدہ کی عبادت پر زیادہ بحث کریں۔

خلق شمعون یہودی جو بی بی سیدہ کا ہمسایہ تھا اور جس نے پہلے حضرت علی کو تکلیف پہونچانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ جب مسلمان ہوچکا ہے اور اس کا تمام کاروبار بگڑ گیا تو یہودیوں نے اسکے اسلام کی وجہ سے قطعاً ملنا جلنا ترک کر دیا۔ مفلس تھا۔ اسلیئے زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ باوجودیکہ حضرت علی کو اس سے بہت کچھ اذیتیں پہونچی تھیں مگر جب اسکی بیوی مر گئی ہے اور کوئی اتنا نصیب نہ ہوا کہ میت پر بیٹھ کر دو آنسو گرا لیتا۔ تو رات کی تاریکی و تنہائی میں بی بی فاطمہ یہ خبر سنتے ہی اُسکے تمام رنج بھول گئیں۔ اور اپنی ردا سر پر ڈال اس کے ہاں چلی گئیں۔ اور اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا کر اسکی میت تیار کی۔

خصائل حضرت علی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرمؐ نے بی بی فاطمہ سے پوچھا کہ عورت کی بہترین صفت کیا ہے اور یہ وہ سوال تھا جو رسول اللہؐ نے اکثر غور کرنے کے بعد کیا۔ بی بی فاطمہؓ نے جواب دیا کہ وہ کسی مرد کے دیکھنے کی کوشش نہ کرے اور یہ کوشش کرے کہ کوئی نامحرم اسے نہ دیکھنے پائے"

سرورِ کائناتؐ نے بی بی فاطمہ کو اسی وقت گلے سے لگا لیا۔

فاطمہ بنت اسد کی بھاوج اور بہن حفصہ جو عمر میں بی بی فاطمہ سے بڑی تھیں۔ اکثر آیا کرتی تھیں۔ ایک روز جب وہ بیمار تھیں نہ آسکیں۔ اور اپنی علالت کا حال حضرت علی کی زبانی کہلا بھیجا۔ خود حضرت علی کہہ رہے ہیں کہ یہ خبر سنتے ہی فاطمہ سخت بے چین ہوگئیں۔ اور انکی عیادت کو گئیں مرض ترقی کر گیا تھا۔ یہاں تک کہ اسی میں موت ہوئی۔ مگر میں نے دیکھا

اور بس قدر جلد ممکن ہوتا گھری ضرورتوں سے فارغ ہوکر وہاں پہونچ جاتیں ان کا مکان تم سے دور تھا مگر فاطمہ نہایت خوشی سے اس مسافت کو دن میں دو دو مرتبہ طے کر لیتی تھیں۔

بی بی فاطمہ کے انتقال کے بعد جب حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا کہ بنت الرسول کیسی بیوی تھیں تو آپؓ نے کہا:۔

"وہ پھول جس کی خوشبو مرجھانے کے بعد بھی میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے"

بی بی فاطمہ کے اس خلق و محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ دور دور کے لوگ ان سے ملنے آتے۔ تمام مدینہ پران کا ایک خاص اثر تھا۔ بڑے بڑے پیچیدہ معاملوں میں لوگ ان سے مشورہ لیتے اور مدینہ کی اکثر عورتیں اُن کی خدمت میں حاضر رہا کرتیں۔

ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر قدرت نے ان کی سرشت میں بھرا تھا اور یہ ہی تھی وہ وجہ جس نے بی بی فاطمہؓ کو مدینہ بھر میں ہر دلعزیز بنا دیا۔ یہ تو ایک عام عادت تھی جو امام حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ ہماری ماں نے کبھی ہم سے یا ہمارے باپ سے پہلے کھانا نہیں کھایا مگر صاحب علل الشرائع لکھتا ہے کہ وہ کھانے سے پہلے ہمسایہ کی حالت دیکھ لیتی تھیں۔ اور اگر کوئی فاقہ زدہ معلوم ہو جاتا تھا تو پہلے اسکو کھلا دیتی تھیں اور پھر خود کھاتی تھیں۔ ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سارا مدینہ بی بی فاطمہ کا کلمہ پڑھنے لگا۔ کچھ مسلمانوں ہی پر موقوف نہ تھا۔ غیر مسلم عورتیں بھی جو اسلام سے جلتی تھیں ان کی دل سوزی اور ایثار کی معترف تھیں۔ ایک دفعہ ایک یہودی کی لڑکی تھوڑا سا حلوا آپؓ کے واسطے لائی۔ یہ مذہب سے گو غیر تھی مگر بی بی فاطمہ کے خلق کی گرویدہ تھی۔ اور جب موقعہ ملتا آ نکلتی اور باتیں سنا کرتی تھی۔ اسلام کا اثر اسکے دل پر ہو چکا تھا۔ اور وہ خفیہ طور پر اسلام قبول بھی کر چکی تھی۔ مگر ماں باپ کے ڈر سے اعلان نہ کر سکتی تھی۔ بی بی فاطمہ نے یہ سمجھ کر کہ اگر واپس کرتی ہوں تو اسکی دلشکنی ہو گی اور صرف میں لاتی ہوں تو یہودی کا مال ہے نہ معلوم جائز پیسہ سے پکایا گیا ہے یا ناجائز سے۔ اپنے صرف میں لانا پسند نہ کیا

کیونکر پسند کر سکتے ہیں۔ خبردار ایسا خیال آئندہ نہ کرنا جاؤ اور کسی یہودی فقیر کو تلاش کرکے یہ طباق اسکو دیدو۔ یہی لڑکی ایک دفعہ کچھ دینار و درم لیکر آئی اور چاہا کہ بی بی فاطمہ قبول کرلیں۔ مگر آپنے یہ کہہ کر واپس کردئے کہ یہ تمہاری ملکیت نہیں تمہارے باپ کی ہے اگر تم باجازت لائیں تو وہ اسلام کا دشمن ہے۔ ہرگز اسکو روا نہ رکھے گا کہ اسکی کمائی اسلام پر صرف ہو۔ اور اگر بلا اجازت لائیں تو چوری ہو گئی لیجاؤ۔ اور واپس کردو۔ دیکھو آئندہ ایسا نہ کرنا۔ خدا کسی چیز کا محتاج نہیں وہ صرف نیت دیکھنے والا ہے۔ اگر تمہارے پاس کچھ نہیں ہے تو اسکی پروا نہ کرو۔ مگر اسکے احکام پر کاربند اور اسکی مشیت پر راضی رہو؛

جس وقت کلام اللہ میں عذاب دوزخ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ تو سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم شدت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھ کر محبت کی وجہ سے اکثر صحابہ رونے لگے۔ چونکہ کسی کو گریہ آنحضرتؐ کا سبب معلوم نہ تھا اسیلئے سب خاموش تھے۔ رسالت مآب صلعم کی یہ عادت تھی کہ سیدۃ النساء کی صورت دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ لوگوں نے تجویز کی کہ کسی طرح اس پاک بی بی کو بلا کر لائیں کہ آنحضرتؐ کا رنج و غم اور یہ رونا کم ہو۔ اور خیالات بدلجائیں سب ملکر حضرت سیدۃ النساء کے دروازے پر آئے سلمان اندر گئے تو دیکھا کہ وہ مقدس بی بی چکی پیس رہی ہے۔ اور ایک آیت پڑھ رہی ہے مفصل کیفیت بیان کی۔ اور درخواست کی کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ سیدۃ النسا یہ سنکر اٹھیں اور ایک کمبل اوڑھا۔ جس میں بارہ سے زیادہ پیوند تھے۔ سلمان کا یہ حال دیکھ کر دل بھر آیا اور کہا کہ قیصر و کسریٰ کی ریشم و حریر کا لباس پہنیں اور پیغمبر آخر زمانؐ کی بیٹی کے لباس میں اتنے پیوند ہوں۔ یہ کہتے تھے اور روتے تھے۔ جس وقت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

پر ہی جاتی تھی۔ قسم ہے خدا کی پورے پانچ برس ہوتے کہ میرے اور میرے خاوند کے پاس
بکری کے کھال کے سوا کوئی چیز بچھانے کو نہیں ہے۔ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم
نے سُنکر فرمایا۔ فاطمہ میری بیٹی کے صبر کا بدلا خدا کے پاس امانت ہے۔ اس کے بعد
سیدۃ النساء نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ اے باپ اس چیز نے آپ کو اس قدر رلایا۔
رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت سنائی سنتے ہی سیدۃ النساء خوفِ خدا
سے گر پڑیں۔ باربار اس آیت کو پڑھتی رہیں اور روتی رہیں۔

شفقت پدری سیر کی تمام کتابیں اسپر متفق ہیں کہ بی بی فاطمہ رفتار میں گفتار میں عادات میں
اطوار میں سب سے زیادہ رسول اکرمؐ سے مشابہ تھیں اور خود رسالت مآبؐ ان کی عزت کرتے
تھے بعض مورخین یہاں تک بیان کر رہے ہیں کہ جب وہ تشریف لاتی تھیں تو کھڑے
ہو جاتے تھے اور ان کو ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھاتے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابن عباس
سے ایک روایت اس طرح ہے کہ جب امہات المومنین نے جمع ہو کر یہ بات تجویز کی ہے
کہ بیویوں کی باری کے متعلق رسالت مآبؐ سے کچھ عرض کریں تو سب نے ملکر پہلے ام سلمہ کو
آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ مگر جب وہ ناکام آئیں تو بی بی فاطمہ سے درخواست کی کہ وہ جاکر
تصفیہ کر دیں۔ جب بی بی فاطمہ گئیں تو رسالت مآبؐ نے ان کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ بیٹی کیا
تو اس چیز کو پسند نہ کرے گی جسکو میں عزیز سمجھتا ہوں۔ بی بی فاطمہ نے فرمایا میں ضرور
اسے عزیز رکھونگی۔ اتنا سنتے ہی رسالت مآبؐ نے بی بی فاطمہ کو گلے سے لگا لیا۔

بی بی فاطمہ کی فضیلت کے وجوہ جو کچھ بھی ہوں مگر اسمیں شک نہیں کہ رسول اکرمؐ کو
ان سے ایک خاص شغف تھا اور چند روز کی مفارقت میں بےچین ہو جاتے تھے اسی لئے جب سفر
سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بی بی فاطمہ کے ہاں جاکر ان کو دیکھ لیتے اور انکی خیریت
معلوم کرنے کے بعد اور گھروں میں تشریف لے جاتے۔ اور ہمیشہ یہ فرماتے۔ فاطمہ میرے

کہ کوئی عورت جنت میں اسوقت تک داخل نہ ہوگی جبتک فاطمہ نہ داخل ہو جائیگی۔

اُحد کی مشہور لڑائی میں سرورِ عالم سخت زخمی ہوئے اور مسلمانوں کو آپکی جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ مدینہ میں آپ کی خبر شہادت مشہور ہو گئی۔ اسوقت جو مسلمان عورتیں اپنے رسول کی محبت میں بیتاب ہوکر گھر سے باہر نکلیں اور موقعہ پر آئیں۔ انہیں جگر گوشۂ رسول بی بی فاطمہ بھی تھیں۔ یہ سنکر کہ آپ زندہ ہیں مگر زخموں سے نڈھال اور بیہوش، دیوانہ وار خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دیکھا کہ سرور کائنات زخموں کی تکلیف سے بیہوش پڑے ہیں بی بی فاطمہ نے آپ کا سر مبارک اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور بے چین ہو گئیں۔ آنکھ سے زار قطار آنسو کی جھڑیاں بہ رہی تھیں۔ اور سرور عالم کے جسم مبارک سے خون رواں تھا۔ حضرت علی اس موقعہ پر پانی بھر بھر کر لائے اور بی بی فاطمہ نے تمام زخموں کو اپنے ہاتھ سے دھویا جب تمام جسم اور چہرہ دھو کر صاف کر لیا تو بوریہ جلا کر اسکی راکھ زخموں پر چھڑکی اور پٹیاں باندھیں۔

اس بیماری اور تکلیف میں سیدہؓ نے اس قدر رسول اکرم کی تیمارداری اور خدمت کی کہ اپنے تمام آرام و آسائش کو رسول اکرمؐ پر سے قربان کر دیا۔ جب سرور کائنات نے غسل صحت فرما لیا ہے۔ تو بی بی فاطمہ اپنے گھر گئیں۔ ورنہ اس تمام عرصہ میں ایک لمحہ کو بھی سرور عالم کو تنہا نہ چھوڑا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد رسول اکرم صلعم دوبارہ بیمار پڑے اور اس موقعہ پر بھی بی بی فاطمہ نے ویسی ہی تیمارداری کی۔ مختصر یہ ہے کہ بی بی فاطمہ کو رسول اللہ سے اور رسول اللہ کو سیدہؓ سے محبت نہیں ایک عشق تھا۔ اور جس طرح رسول اللہ ان کے بغیر بے چین ہو جاتے تھے اسی طرح وہ بھی رسالت مآبؐ کی جدائی سے بیتاب ہو جاتی تھیں۔ ایک موقعہ پر حضور اکرم

میں نے آپ کی طرف دیکھا ہے غزوہ احد میں بدر میں جنگ حنین میں غرض بڑے بڑے موقعوں
پر آپ کی دلیری اور شجاعت دیکھ چکا ہوں۔ نبوت کی نشانیاں میں نے دیکھیں، خلق
رسول میں نے دیکھا۔ کرم و رحم انصاف ہر چیز دیکھی یا رسول اللہ میں ہر وقت حاضر رکاب
رہتا ہوں۔ اور ہر لمحہ آپ کو دیکھتا ہوں اور اسوقت بھی چہرۂ اقدس کی زیارت کر رہا ہوں۔

آپنے فرمایا۔ نہیں علی تم نے ہم کو نہیں دیکھا۔ اتنا سنتے ہی علی کرم اللہ وجہہ پر ایک
خاص حالت طاری ہوگئی اور وہ اس قدر رنجیدہ اور متاثر ہوئے کہ بخار چڑھ آیا۔ کانپتے
ہوئے گھر آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ سیدہ نے اس کیفیت کو سنکر حضرت علی کو کمبل
اڑھا دیا۔ اور رسول اللہ کو بلا بھیجا۔ رسول اکرم تشریف لائے تو بی بی فاطمہ نے عرض کیا۔
یا رسول اللہ آپنے آج علی کا دل توڑ دیا۔ آپ علی کو اپنا جمال دکھا دیجئے کہ تسکین ہو اور یہ
تکلیف کم ہو۔ رسالت مآب نے فرمایا علی اٹھو اور اپنا دست مبارک سیدۃ النساء کے کندھے
پر رکھ کر فرمایا۔ علی آؤ ہم کو دیکھو۔ حضرت علی کو بخار شدت سے تھا اس وقت رسالت
مآب کے چہرہ میں ایسی چمک دیکھی کہ گر پڑے۔ مورخین بالاتفاق اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ
جناب سیدہ کی خاطر اتنی رسول اکرم کو منظور تھی کہ بی بی فاطمہ کی درخواست رد نہ
فرمائی اور بہ طیب خاطر منظور کرلی۔

صاحب ناسخ التواریخ ایک واقعہ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ جناب رسالتمآب نے
دو وقت سے کھانا نہ کھایا تھا۔ اتفاق سے حضرت عثمان کو یہ علم ہوا اور وہ تھوڑا سا
کھانا خدمت اقدس میں لیکر حاضر ہوئے۔ آپ نے کھانا لے لیا۔ مگر تناول نہ فرمایا۔ جابر
انصاری بھی حضور کی بھوک سے واقف تھے اور کچھ کھانا لائے۔ آپنے وہ بھی لے لیا اور نہ
کھایا اسوقت جناب سیدہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں۔ کھانا ساتھ تھا۔ روئیں اور عرض کیا

سے بوسہ دیا اور کھانا تناول فرمالیا۔

یہی مورخ لکھتا ہے کہ جب مغیرہ نے یہ درخواست کی ہے کہ سرور کائنات اپنے جسم مبارک کا پھٹا ہوا کرتہ مجھ کو عنایت فرما دیں اور صرف اسلیئے کہ وہ زکوۃ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا تھا آپ ناخوش تھے۔ اسکی درخواست منظور نہ فرمائی۔ لیکن اس نے جب کوئی چارہ نہ دیکھا تو بی بی فاطمہ سے التجا کی اور آپ نے اسکی سفارش فرمائی۔ تو رسول اللہ نے اسکی درخواست منظور فرما کر اپنا پرانہ کرتہ اسکو دیدیا +

ایک غلط خیال بعض مسلمانوں کا خیال ہے اور کچھ آج سے نہیں ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ اور سیدۃ النسا فاطمہ صلوۃ اللہ علیہا کے دلوں میں رنجش تھی اور سرور کائنات کے زمانہ حیات ہی میں یہ بیج دونوں کے دلوں میں پرورش پا چکا تھا۔ جو رسالت مآب کے انتقال کے بعد مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا۔ مگر واقعات پر غور کرنے سے یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا۔ بی بی فاطمہ کے مزاج میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ ان کی طبیعت کینہ پرور نہ تھی اگر کوئی بات ان کو ناگوار ہوتی تھی۔ یا کسی شخص سے کوئی تکلیف پہونچتی تھی تو اس کا اثر عارضی ہوتا تھا اور کچھ عرصہ بعد زایل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ابن عبد اللہ اندلسی ابن ابو سفیان کی روایت سے امام حسنؓ کے الفاظ یوں لکھ رہا ہے کہ "ہماری ماں کی طبیعت میں کینہ نہ تھا وہ خفا ہونے کے بعد فوراً ہی رضامند ہو جاتی تھیں" گویا سیدہ کا غصہ دودھ کا ایک ابال تھا کہ سخت تکلیف کی حالت میں تھوڑی دیر کے واسطے اس کا احساس ہوا اور زایل ہو گیا۔ زمانہ حیات رسالت مآب میں وہی واقعہ جو صحیحین میں درج ہے اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس دعوی کو ثابت کرتا ہے کہ جب رسالت مآب نے یہ فرمایا کہ میں عائشہ کو عزیز رکھتا ہوں تو بی بی فاطمہ

سرورِ کائنات کے بعد بھی باوجود خلیفہ اول کی خلافت کے بی بی فاطمہ ام المومنین سے اکثر ملتی جلتی رہیں۔ اور جو ادب واحترام سرور کائنات کی زندگی میں ام المومنین کا تھا وہ ان کے بعد بھی رہا۔ اسی طرح ام المومنین نے جو شفقت بزرگانہ رسول اکرم کے زمانہ حیات میں سیدہ پر رکھی وہ انتقال کے بعد بھی بدستور رہی۔ چنانچہ جب وقت امیر معاویہ نے مدینہ منورہ میں ایک عام جلسہ کیا اور امام حسینؑ سے بیعت کی درخواست کی۔ تو گو بی بی فاطمہ زندہ نہ تھیں مگر ام المومنین یہ سنکر برافروختہ ہوگئیں۔ امام حسین کے انکار بیعت پر امیر معاویہ کے ایک دستہ فوج نے تلواریں تک نکال لی تھیں۔ ام المومنین نے جب یہ سنا تو غصہ میں تھر تھر کانپنے لگیں اور اسی وقت مسجد نبوی میں آکر امیر معاویہ کو بلایا اور کہا سنلے ہے تو نبی معصوم وبرگزیدہ کے نواسے امام حسین سے گستاخی کے ساتھ پیش آیا۔ تجھے نہیں معلوم کہ گو اسکی ماں موجود نہیں مگر میں زندہ ہوں اور دم بھر میں تیرا تمام زور ڈھادوں گی

اگر ام المومنین کے دل میں بی بی فاطمہ کی طرف سے کوئی رنجش ہوتی یا ان کے تعلقات سے ناخوش ہوتیں تو ہرگز اس طرح ان کے بچے کی حمایت کو نہ کھڑی ہوتیں۔ اور یہ نہ کہتیں کہ اسکی ماں موجود نہیں مگر میں موجود ہوں۔ اسلئے یہ خیال کہ ان دونوں میں رنجش بھی یقیناً غلط ہے۔ بی بی فاطمہ کی طبیعت اس قسم کی واقع ہی نہ ہوئی تھی کہ ان کے دل میں کوئی بات رہتی۔ چنانچہ انتقال سے تین روز قبل انہوں نے ام المومنین سے کھلے ہوئے الفاظ میں کہا تھا کہ "اگر میرا کوئی فعل کبھی خلاف مزاج ہوا ہو تو عند اللہ اسکو معاف فرمادیجیگا" ام المومنین یہ سنکر رو دیں اور بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ سلمہ بنت الزبیر مزاج کی تیز تھیں اور جس طرح بڑی بوڑھیاں لڑکیوں پر تنبیہہ کرتی رہتی ہیں وہ بھی سیدۃ النساء پر بعض دفعہ ... بیٹھتیں۔ ایک دفعہ یہاں تک انھوں نے

بچے ۱۵ رمضان المبارک سنہ ۳ ہجری کو خدائے پاک نے سیدہ کو صاحب اولاد کیا۔
اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسما بنت عمیس نے اس بچہ کی پرورش میں بہت حصہ لیا ہے۔
رسالت مآب صلعم نے جب پیدائش کی خبر سُنی تو تشریف لائے بچہ کو گود میں لیا اور حسن نام
رکھا۔ ۵ شعبان سنہ ۴ ہجری یعنی قریبًا ایک سال بعد دوسرا بچہ پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت صلعم
نے حسین رکھا۔

سیدۃ النسأ کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے ہیں۔ حسنؓ حسینؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ
زینبؓ اور محسنؓ دو صاحبزادیاں زینب اور کلثوم عمر طبعی کو پہونچیں۔ مگر محسن کی پیدائش
میں دونوں اہل سنت و شیعہ کچھ تھوڑا سا اختلاف رکھتے ہیں ۰

علم سیدۃ النسأ سے اکثر روایتیں موجود ہیں۔ وہ علی الاعلان مسجد نبوی میں وعظ فرماتی
تھیں۔ کلام اللہ پر ان کو عبور تھا۔ اور جس وقت وعظ کہتی تھیں تو سامعین پر اس قدر اثر
ہوتا تھا کہ لوگوں کی روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ شعر بہت کم کہتی تھیں۔ مگر تقریر ایسی
بے نظیر ہوتی تھی کہ سبحان اللہ درس بھی دیتی تھیں اور تمام عرب میں ان کی قابلیت
کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ملا حسن شیرازی کہتا ہے کہ ان کو کلام اللہ پر اس قدر عبور تھا کہ بعض
دفعہ ان کی تمام گفتگو کا ماخذ کلام اللہ ہوتا تھا۔ اس نے ایک موقعہ پر ایک سایل اور سیدہ
کا مکالمہ درج کیا ہے۔ اور یہ مکالمہ بہت طویل ہے جسمیں اسکے ہر سوال کا جواب بی بی
فاطمہ نے محض کلام اللہ سے دیا ہے۔ ہم طوالت کے خیال سے اسکو نظر انداز کرتے
ہیں وہ ایک جگہ لکھ رہا ہے کہ رسالت مآب کے انتقال کے بعد شام کے ایک تاجر کو جو
مسلمان ہو چکا تھا۔ کلام اللہ کی ایک آیت کے سمجھنے میں دقت ہوئی چنانچہ وہ اس امر حلہ
کو طے کرنے کے واسطے آیا۔ چاروں طرف پھر اگر کسی جواب سے اسکی تشفی نہ ہوئی تو سیدہ کی

مہربانذ ہنے کی ممانعت پر ٹوک دیا تھا اور کہا تھا خاموش رہ کلام اللہ کے برخلاف کہہ رہا ہے اور فاروق اعظم کو اس کا اعتراض تسلیم کرنا پڑا تھا لکھتا ہے یہ بڑھیا اسما بنت عمیس تھی۔ جس کا تمام وقت سیدۃ النسار کی خدمت میں صرف ہوتا تھا اور ان ہی کا فیض صحبت تھا۔ کہ بڑھیا کلام اللہ سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔

ملّا کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر جب رسالت مآب سفر میں تشریف فرما تھے۔ نماز جمعہ کے بعد سیدہ نے مسجد نبوی میں وعظ فرمایا اس آیت کی تفسیر کر رہی تھیں۔

قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددًا۔

سامعین میں ایک شخص حارث ابن سعد بھی موجود تھا وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسکا کلیجہ شق ہو گیا۔ اور وہیں چیختا پیٹتا مر گیا۔

ہم کو یہاں تک تو پتہ چل رہا ہے کہ سیدہ نے اشعار فرمائے اور وہ بعض دفعہ شعر کہتی تھیں مگر افسوس باوجود تلاش و محنت کے سیدہ کا کلام ہم کو میسر نہ آسکا۔ صرف ایک ایرانی مؤرخ کچھ پیش کر رہا ہے لیکن اسکی تائید کسی دوسری کتاب سے نہیں ہوتی۔

بچوں کی پرورش حسنین علیہما السلام کی زندگی سے جو فیض دنیا کو پہنچا ان کی قابلیت ان کا علم و حلم انکسار خلق ریاضت عبادت یہ سب پاک ماں کی گود کا اثر تھا۔ وہ بچوں کو سلاتے وقت بھی بطور لوری کے کلام اللہ کی آیتیں پڑھتی تھیں۔ اور شروع ہی سے ان کانوں میں خدا کی عظمت جاگزیں ہوتی تھی۔ انہوں نے ان بچوں کو سمجھایا تو خدا کے کلام سے ڈرایا تو خدا کے کلام سے چنانچہ صاحب علل الشرائع کہہ رہا ہے کہ ایک دفعہ دونو بچوں میں کچھ لڑائی ہوئی اور مار کٹائی تک نوبت پہونچ گئی۔ چوٹ دونو کے لگی۔ اور روتے ہوئے ماں کے پاس آئے۔ بڑے نے

برحق کے حکم کے برخلاف باہم لڑے جھگڑے ہو۔ اس بحث کو تو جانے دو کہ کس نے زیادہ

مارا اور کس نے کم - ابتدا کس سے ہوئی اور بے قصور کون تھا ۔ مگر خدا کی نافرمانی تو تم دونو

سے ہوئی - بتاؤ خدا کے ہاں اس کا کیا جواب دو گے ،

ماں کا کہنا کچھ ایسا کارگر ہوا کہ دونو بچے اپنی اپنی شکایتوں کو بھول گئے اور خوف آخرۃ

سے رونے لگے ۔ جب رو چکے تو ماں سے عرض کیا ہمارے گناہ اب تو خدا سے معاف کروا دیجئے

آئندہ ہم سے ایسی خطا ہرگز نہ ہوگی ۔ آپ نے فرمایا اچھا وضو کرو اور میرے پاس آؤ

دونو لڑکے دوڑے دوڑے گئے اور وضو کر کے آئے تو آپ نے ان کو سجدہ میں گرادیا

اور کہا لو اپنے قصور کی خدا سے معافی مانگو ۔ بچے رو رو کر اپنے قصور کی مالک حقیقی سے

معافی طلب کر رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی سیدہ بھی گریہ وزاری میں بچوں کے ساتھ مصروف تھیں ۔

یہی مورخ کہتا ہے کہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا جو سیدہ کی صاحبزادی تھیں ۔ وہ صاحبزادی

جن کے دو بچے عون و محمد سید الشہدا کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہوئے ۔ بچپن میں

ایک روز کلام اللہ پڑھ رہی تھیں ۔ اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ ان کو کسی چیز کا مطلق

ہوش نہ تھا ۔ سر سے ردا اتر گئی ۔ انکو خبر نہ ہوئی ۔ ننگے سر تلاوت کرتی رہیں ۔ اتفاق

سے ماں کی نظر پڑ گئی ۔ اٹھیں ۔ قریب آئیں ۔ ردا اڑھا دی اور فرمایا :۔

"بیٹی خدا کا مقدس کلام اور ننگے سر"

رسول اللہ کے آثار رحلت

اب وہ وقت تھا کہ بڑے بڑے جابر و سرکش جو اسلام کے نام سے جلتے تھے ۔ مسلمان ہو چکے تھے ۔ قریش کا سرگروہ ابو سفیان ایمان لا چکا تھا ۔ یمن میں

اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی ۔ طائف فتح ہو گیا تھا ۔ اور وہ مٹھی بھر مسلمان جن کو ایک وقت

میں خدا کی پاک ذات کے سوا کوئی سہارا نہ تھا ۔ ہزاروں تک پہونچ گئے تھے ۔ قریش کا زور

کے نام سے مشہور رہے۔ اور لوگوں کو احکام حج بتائے۔ اسی اثنار میں یہ آیت[۱] نازل ہوئی کافر آج کے دن مایوس ہو گئے۔ پس تم ان کا خوف نہ کرو۔ مجھسے ڈرتے رہو۔ آج کے روز پورا کر دیا میں نے تمہارا دین اور تمام کر دی تمہارے اوپر اپنی نعمت اور راضی ہوا میں تمہارے دین اسلام سے۔

اس آیت کے نازل ہوتے ہی لوگ سمجھ گئے کہ اب سرور عالم کو دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں اسلام کا وہ کام اور خدمت جس کے لیے خدا نے اپنے پاک بندے کو ہمارے واسطے بھیجا تھا ختم ہوا۔ اور اب سرور کائنات چند روز کے مہمان ہیں۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیق یہ آیت سنکر بہت روئے اور سمجھ گئے کہ جدائی کا وقت قریب آگیا۔ بی بی فاطمہ نے جس وقت یہ آیت سُنی تو سرور کائنات کے فراق کے خیال سے اس قدر روئیں کہ بیتاب ہو گئیں اور اسی حالت میں حضور اکرم کی خدمت میں پہونچکر رسالت مآبؐ کے پاک چہرہ کی زیارت کر لی تو تسکین ہوئی۔

حج سے واپس آتے ہی سرور کائنات کی طبیعت کچھ علیل ہو گئی تھی۔ مگر خیال تھا کہ شاید راستہ کی تکان اور سفر کا اثر ہو گا مگر وہ علالت بجائے رفع ہونے کے ترقی کرتی گئی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ کسی میت کے دفن میں شرکت فرمانے بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو دیکھا کہ ام المومنین عائشہ سر کو پٹی باندھے ہائے ہائے کر رہی ہیں۔ آپنے فرمایا۔ عائشہ میرے سر میں بھی درد ہے۔ ام المومنین نے کہا اگر میں درد سر میں مر گئی۔ تو آپ جھٹ دوسری شادی کر لیں گے۔ رسول اکرم ام المومنین کے اس کہنے پر مسکرائے۔ بات گئی گزری ہوئی۔ مگر ام المومنین کا درد دوسرے روز جاتا رہا اور

---

[۱] الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون ۲ الیوم

تشریف نہ لاسکے۔ ایک دن جب کچھ افاقہ ہوا تو باہر تشریف لائے لوگ اپنے رسول کی زیارت کو ترس گئے تھے۔ سرور کائنات کے تشریف لاتے ہی اس طرح دوڑے جس طرح شمع پر پروانے +

سرور کائنات کی اس علالت و حالت نے سیدہ کی حالت خراب کردی۔ ان کا دل فطرتاً کمزور واقع ہوا تھا۔ ماں کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ چکا تھا۔ اور گو حضرت علی جیسا شوہر اور حسنین جیسے بچے موجود تھے۔ مگر سرور عالم کی رحلت کا خیال انکو سخت بے چین کر رہا تھا۔ انہوں نے ایک لمحہ کو حالت مرض میں اپنے مقدس باپ کی پٹی نہ چھوڑی ہر وقت ان کی خدمت اور تیمارداری میں مصروف رہتیں۔

اصابہ کا مصنف لکھ رہا ہے کہ جب بی بی فاطمہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور سرور کائنات کو اندیشہ ہوا کہ فاطمہ تڑپ تڑپ کر نہ مر جائے تو آپ نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا اور آہستہ سے کان میں فرمایا تم گھبراؤ نہیں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملوگی۔ رسول اکرم کے یہ الفاظ سنکر سیدۃ النساء کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی۔ اور وہ رنج اس خیال سے تھوڑی دیر کے واسطے زائل ہو گیا۔

سرور کائنات باہر تشریف لے گئے تو آپ نے اسی حالت مرض میں خطبہ پڑھا اور مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔

اسوقت جو خاص واقعہ پیش آیا۔ بظاہر اس کتاب کو اس سے کوئی تعلق نہیں مگر حضرت علی کا تعلق جو کچھ رسول خدا سے تھا۔ اسکو نظر انداز کرنا مناسب نہیں اس لیے نقل کرتے ہیں۔

خطبہ نصیحت ... کے بعد سرور کائنات نے حکم دیا کہ اگر تم میں سے کسی کا کوئی حق مجھ

اتفاق سے میرے لگ گیا۔ میں آج اس حق کا طالب ہوں۔

سرورِ کائنات نے فرمایا۔ اچھا وہ کوڑا منگوالو۔ چنانچہ وہ کوڑا فوراً آگیا اور آپ نے عکاشہ سے فرمایا لو عکاشہ اپنا بدلہ لے لو۔

اسوقت صحابہ کی جماعت پر ایک سناٹا تھا۔ لوگ پریشان تھے کہ یہ شخص ہمیشہ رسول اکرم سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتا رہا اسوقت کہ سرورِ کائنات بیمار ہیں ضعف کی یہ حالت ہے کہ اچھی طرح کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔ بخار چڑھا ہوا ہے ایسی گستاخی کی جرأت کس طرح کر رہا ہے۔ جب کوڑا آگیا تو عکاشہ نے کہا یا رسول اللہ میں اُسوقت جب کوڑا لگا ہے ننگے بدن تھا میرے تن پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ اسلیئے آپ بھی اسی طرح قصاص دیجئے۔ سرورِ کائنات صلعم نے یہ سنتے ہی اپنا کرتہ اتار دیا اور عکاشہ سے کہا اسلم اٹھ کر اور اپنا قصاص لے۔

لوگ اپنے بیمار رسول کو اس حال میں دیکھ کر چیخیں مارنے لگے۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ عکاشہ سے کچھ کہہ سکے۔ عکاشہ نے جسوقت ہاتھ میں کوڑا لیا۔ تو حضرت علی سے جو سیدہ کے شوہر تھے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ روتے ہوئے آگے بڑھے اور کہا۔

عکاشہ رسول خدا بیمار ہیں اسوقت قصاص کے قابل نہیں تو اپنا بدلہ مجھ سے لے اور جس قدر کوڑے تیرا دل چاہے میرے جسم پر مار مگر اسوقت رسول اکرم کو اذیت نہ دے۔

عکاشہ۔ میں نے آپ کے ہاتھ سے کوڑا نہیں کھایا تھا آپ سے کس طرح قصاص لے سکتا ہوں۔

حضرت علی۔ میرے دونوں بچے حسنینؑ موجود ہیں تو ان کے کوڑے مار لے مگر اسوقت رسالتمآبؐ کو تکلیف نہ دے۔

فعل صرف اسلیئے کیا ہے کہ دوزخ کی آگ مجھپر حرام ہوجائے۔

صحیحین میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم کی حالت زیادہ بگڑنے لگی تو آپنے فرمایا۔ لاؤ کاغذ لاؤ میں تم کو کچھ لکھوا دوں۔ تاکہ میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہوجاؤ۔ یا لڑو جھگڑو نہیں۔

اسوقت خلیفہ دویم حضرت عمر فاروق بھی موجود تھے۔ آپنے کہا کہ اسوقت سرور عالم کو تکلیف زیادہ ہے۔ اسلیئے ایسا فرمارہے ہیں۔ ہم کو وصیت کی ضرورت نہیں حسبنا کتاب اللہ خدا کی کتاب ہمارے لیئے کافی ہے۔

حاضرین میں سے بعض نے فاروق اعظم کے اس جواب کو پسند نہ کیا۔ اہلبیت کا خیال تھا کہ رسالتمآب ہمارے واسطے کچھ لکھوا رہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ کاغذ لاکر لکھوا لینا چاہیے بعض کا خیال تہا کہ فاروق اعظم کا کہنا درست ہے۔ سرورکائنات کو تکلیف ہے ایسی حالت میں زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے واسطے بیشک کافی ہے۔ اس بحث مباحثہ میں غل غپاڑے تک نوبت پہنچگئی اور رسالتمآب نے فرمایا "تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ"

مختصر یہ کہ مجمع درہم برہم ہوگیا اور معاملہ طے نہ ہوسکا۔ لیکن ابن عباس نے جو رسول اکرم کے چچا تھے۔ حضرت علی سے فرمایا۔ علی مجھکو رسول اللہ کی حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی تم ابھی بچے ہو۔ میں اپنے خاندان کی بہت سی موتیں دیکھ چکا ہوں۔ بولتے بولتے دم نکلتا ہی اور جو علامتیں آخر وقت میں ہوا کرتی ہیں وہ سب میں رسول اللہ میں پارہا ہوں میری رائے میں یہ مناسب ہوگا کہ تم مسئلہ خلافت کو رسول اکرم سے طے کرلو۔ کہ یہ منصب کسکو دیا جائیگا تاکہ پھر کسی قسم کا جھگڑا باقی نہ رہے۔

بیماری کی شدت زیادہ ہوئی تو سرور کائنات نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ تم اپنے باپ ابوبکر سے کہدو کہ میں اب باہر آنے کے قابل نہیں تم امامت کرو اور میری جگہ نماز پڑھاؤ۔

ام المومنین نے رسول اللہ کے جواب میں عرض کیا :-

یارسول اللہ میرے باپ رقیق القلب آدمی ہیں ان کو آپ سے جو محبت ہے وہ ظاہر ہے وہ آپ کی جگہ خالی دیکھ کر ضبط نہ کر سکیں گے۔ بیقرار ہو جائیں گے۔ آپ اس کام کے واسطے کسی اور کو مقرر فرمائیے تو بہتر ہو۔

رسالت مآب کے چہرہ مبارک پر اسوقت شکن پڑ گئی اور آپ نے پھر وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔ ام المومنین نے اپنے محترم باپ کی خدمت میں یہ الفاظ رسالت مآب کے پہونچا دئے۔ اور ابوبکر صدیق نے اس ارشاد کی تعمیل کی۔ پانچ وقت نماز پڑھائی اب سرور کائنات کی حالت میں کچھ افاقہ تھا۔ حضرت علی کے سہارے سے انکے کندھوں پر ہاتھ رکھکر باہر تشریف لائے تو مسجد نبوی میں جماعت ہو رہی تھی اور حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ سرور کائنات کی آہٹ پاکر نمازیوں نے اپنے رسول کے آنے کی اطلاع اس طرح ابوبکر صدیق کو دی کہ کھانسنے لگے۔ ابوبکر صدیق نے یہ معلوم کرکے کہ سرور کائنات تشریف لے آئے ہیں نماز توڑنی چاہی۔ اور اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے۔ مگر رسول اکرم نے اُن کی پشت پر ہاتھ رکھکر ان کو امامت پر کھڑا کر دیا۔ اور آپ سیدھی طرف کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہو گئے۔ مگر بخار چڑھا ہوا تھا۔ کمزوری بڑھ گئی تھی کھڑے نہ رہ سکے۔ بیٹھنا پڑا اور بیٹھے ہی بیٹھے نماز ادا کی۔

نماز کے بعد رسول اکرم گھر میں تشریف لے گئے۔ اور یہ نماز خدا کے پاک نبی کی آخری

ایسی شدت کا بخار میں نے کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ باوجودیکہ جسم مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی۔ مگر اسپر بھی ہاتھ رکھنے سے حرارت کی یہ شدت تھی کہ ہاتھ جلتا جاتا تھا۔ سرور کائنات ام المومنین عائشہ کے حجرے میں تھے حضرت علی اور سیدہ تیمارداری میں مصروف تھے۔ مگر اب وہ وقت تھا کہ سرور کائنات کی زبان مبارک سے سوا اللھم الرفیق الاعلی کے اور کچھ نکلتا تھا

رسالتمآب کی اس کیفیت سے یوں تو اہلبیت اور امہات المومنین کیا مسلمانوں کا بچہ بچہ رو رہا تھا۔ مگر بی بی فاطمہ کی حالت بہت زبوں تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اب سرور عالم کی زبان مبارک سے خدا کے سوا کچھ نہیں نکلتا اور زندگی سے مایوس ہو گئیں۔ تو گو حضرت علی جیسا شوہر اور حسنین جیسے لال موجود تھے۔ مگر محمد جیسا باپ ایسا باپ نہ تھا کہ فاطمہ جیسی بیٹی اسکی موت کا صدمہ سہار جاتی۔ آج ماں کی موت کا صدمہ بھی تازہ ہوا۔ وہ سرور کائنات کے چہرہ کو غور سے دیکھتیں اور جب یہ دیکھتیں کہ باپ کی آنکھیں اب فاطمہ کو پہچاننے کے قابل نہیں تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتیں۔ پھر اٹھتیں۔ حالت یاس میں ادھر ادھر پھرتیں اور پھر چہرہ اقدس پر نظر ڈالتیں اور دیکھتیں کہ اب یہ پیاری صورت تھوڑی دیر کی مہمان ہے اور میری آنکھ سے اس طرح اوجھل ہوگی کہ سر ٹکراؤں گی اور نہ پاؤں گی۔ ماں کا سایہ بچپن میں اٹھ گیا تھا لے دیکر جو کچھ تقویت یا سہارا اسوقت تھا وہ صرف باپ کا۔ ورنہ دنیا جان کی دشمن تھی۔ وہ باپ جسکو دم بھر کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ تھی آج موت اسکو جدا کرتی ہے۔ دفعتہ بی بی فاطمہ نے سرور کائنات کے پائے مبارک سے اپنی آنکھیں ملیں۔ بوسہ دیا۔ اور دونوں ہاتھ پاؤں میں ڈال کر چمٹ گئیں۔

ملا حسن شیرازی اس جگہ لکھ رہا ہے کہ گو شدت بخار سے سرور عالم کو بہت سخت تکلیف تھی مگر آپنے آنکھ کھولی اور یہ دیکھ کر کہ فاطمہ سخت بے چین ہے آپنے اشارے سے اپنے پاس

سے لگائے روتی رہیں۔

اب سکرات شروع ہوگئی اور وہ دماغ جس نے بڑی بڑی الجھی ہوئی گتھیاں چشم زدن میں سلجھا دیں۔ دنیا کے کاموں سے بالکل بے خبر ہوگیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سکرات کی سختی اس قدر تھی کہ میں نے یہ سختی کبھی پہلے نہ دیکھی اسوقت بی بی فاطمہ چاروں طرف حسرت سے تکتی تھیں اور کوئی قوت ایسی نہ تھی جوان کے باپ کی مقدس روح کو وصال خدا سے روک کران کے پاس چھوڑ دیتی۔ پاک روح کے پرواز کا وقت قریب آتا جارہا تھا اور سیدہ کے چہرہ پر آثار یتیمی برسنے شروع ہوگئے تھے۔ حسنین اسوقت یہاں موجود نہ تھے۔ حضرت علیؑ کو بھیجکر سیدہ نے اپنے بچوں کو بلایا اور کہا حسنین کہاں تھے۔ آج تمہارے نانا کی پاک روح دنیا سے رخصت ہوتی ہے اور فاطمہ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھتا ہے حسنین نانا کی صورت اب نظر آنے والی نہیں۔ یہ وقت وداع ہے۔ میں اپنے مقدس باپ کو اس طرح دنیا سے رخصت کررہی ہوں کہ رسول خدا کے گھر میں جلانے کا تیل بھی نہیں حسنینؑ میری میزبانی میں شریک ہو۔ اور میرے باپ کو دنیا سے رخصت کردو۔

حضرت علی نہایت ضبط سے کام لے رہے تھے اور گو دل کی حالت بہت خراب تھی باپ کہو خسر کہو، سرپرست کہو، ولی کہو، محسن تھے رسول تھے جو کچھ بھی تھے رسول اللہ اور حضرت رسول اللہ نے بچوں کی طرح رکھا بیٹوں کی طرح پالا۔ مگر مرد تھے۔ ضابطہ بھاری بھرکم، دل پر جو کچھ گذر رہی تھی سہار رہے تھے لیکن اسوقت سیدہ کی اس تقریر سے دل بھر آیا بچوں کو رسول اللہ کے قدموں پر گرا دیا اور بی بی سے کہا۔

"فاطمہ! حسنین تیرے باپ کے غلام ہیں"

اسوقت حضور اکرم کی حالت اس قابل نہ تھی کہ وہ حسن بچوں کی یاد سے زیادہ تکلیف پہنچاتے

جاودانی کو رحلت فرمائی۔

انتقال کے وقت سرور عالم کا سر مبارک ام المومنین عائشہ صدیقہ کی گود میں تھا اور حضرت عائشہ اسپر فخر کرتی تھیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

"وصال کے وقت سر مبارک میرے زانو پر تھا۔ جس رات وصال ہوا وہ میرے ہاں رہنے کی رات تھی۔ میرے حجرے میں آپ مدفون ہوئے۔"

اہل التشیعہ کہتے ہیں۔ انتقال کے وقت رسول اکرم کا سر مبارک حضرت علی کی گود میں تھا اور سیدہ برابر بیٹھی تھیں۔ چنانچہ حضرت علی کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جب روح نے عالم بالا کو پرواز کیا تو آپ کا سر میری گود میں تھا۔ فاطمہ میرے برابر تھی۔ اور میں نے سانس نکلتے وقت ٹھوڑی کو سہارا دیکر منہ بند کر دیا۔"

جب ابو بکر صدیق نے سرور کائنات کی خبر وفات سُنی تو آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا

"اے لوگو آج پیغمبر خدا کا انتقال ہوا۔ سنو اگر تم صرف محمدؐ کی عبادت کرتے تھے تو وہ اب ہم میں نہیں ہیں۔ انتقال کر گئے اور اگر خدا کی عبادت کرتے تھے تو وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔"

خلیفہ دوم حضرت عمر خبر موت سُنکر تلوار ہاتھ میں لے باہر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے بھی یہ نکلا کہ رسول اللہ انتقال کر گئے تو اُسکی گردن اڑا دوں گا وہ زندہ ہیں خدا کے ہاں گئے ہیں۔ اور پلٹ کر آ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر نے اموقعہ پر حضرت عمر کو سمجھایا اور کہا یہ تمہارا غلط خیال ہے۔ اسکی شہرت نہ دو۔ موت ہر ذی روح کو ایک دفعہ آتی ہے اور پھر دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ اب دنیا

اقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر جلتے تھے۔ جناب سیدہ کی آنکھوں میں اسوقت دنیا اندھیر تھی کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر چار آدمیوں کی گریہ وزاری مشہور ہے سب سے پہلے حضرت آدمؑ جب جنت سے علیحدہ ہوئے تو اس قدر روئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں نکل آئیں۔ اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ جس وقت حضرت یوسفؑ ان سے جدا ہوئے بیٹے کی مفارقت میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ تیسرے سیدۃ النساء اپنے محترم باپ رسول اکرمؐ کی مفارقت میں اس قدر روئیں کہ چھ مہینے کے اندر ہی اندر اس صدمہ میں خدا کے ہاں جا پہونچیں چوتھے حضرت امام زین العابدین سید الشہداء کے بعد۔

سچ یہ ہے کہ بی بی فاطمہ جس قدر بھی روتیں اور جو کچھ بھی ان پر صدمہ ہوتا کم تھا۔ ماں کو تو آنکھ کھولکر دیکھا ہی نہیں اور اگر دیکھا بھی تھا تو وہ دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے ماں بھی تو اور باپ تھے تو حضور اکرمؐ اور پھر رسول اللہ جیسے باپ کہ دم بھر کو بیٹی جدا ہو جائے تو بے چین ہو جائیں۔ اور بیٹی کیا بیٹی کے بیٹے حسنینؑ نماز میں کندھوں پر چڑھ جائیں تو سجدے سے سر نہ اٹھائیں۔ خدا کا رسول اور فاطمہ کے بچوں کا گھوڑا۔ اللہ اللہ اس سے زیادہ الفت و محبت کیا ہوگی۔

تدفین

ناظر اگر تھوڑی دیر کے واسطے چشم تامل سے اس واقعہ پر غور کرے کہ دونو جہان کا سردار خدا کا پاک رسول جسنے ایک عربستان ہی نہیں روئے زمین پر اپنی رسالت اور اپنی وحدانیت کا ڈنکا بجا دیا۔ آج دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تو ایک عجیب منظر آنکھ کے سامنے آجاتا ہے۔ جس منہ سے ہمیشہ پھول جھڑتے تھے ہمیشہ کو خاموش ہو گیا اور جو ذات پاک بیکسوں کی وارث یتیموں کا ملجا اور اپاہجوں کا ماوی تھی ہمیشہ کو جدا ہو گئی۔ رسول اللہ کا جسد خاکی ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں ایک چارپائی پر رکھا ہوا ہے اور مسجد جیسی

یہ خیال کہ جس سے دنیا اور دین دونوں کی توقعات تھیں، آج اس کا پاک جسم بیجان آنکھوں کے سامنے پڑا ہے۔ اس واقعہ کی پوری تصویر اور اس دردانگیز حالت کا اصلی بیان بہت مشکل سے ادا ہو سکتا ہے۔ میت کو گود میں لیے ہوئے اور باپ کے سر مبارک کو چھاتی سے لگائے ساڑھے تیرہ گھنٹے کی رات غریب فاطمہؓ کی آنکھوں میں کٹ گئی۔ دوسرے روز نو بجے کے بعد غسل شروع ہوا۔ کیا وقت ہوگا اور کیا دل کہہ رہا ہوگا۔ اس بیٹی کا جس نے لمحہ بھر کو بھی باپ کی مفارقت خوشی سے گوارا نہ کی، یہ دیکھ کر کہ باپ کی شفقت و محبت کی یادگار یہ جسد خاکی جو اسوقت سامنے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی اوجھل ہوتا ہے۔ غسل میں تمام اہل بیت شریک تھے، سیدہؓ نے پانی کی بدھنیاں بھر بھر کر جسم اطہر پر ڈالیں جس شخص کا کلمہ آج سات کروڑ انسان ہندوستان میں اور بتیس کروڑ مسلمان روئے زمین پر پڑھ رہے ہیں۔ جسکے نسبت ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ناپاک چیز ان الفاظ سے پاک ہوتی ہے۔ جو نام دنیا اور دین دونوں کی نجات کا باعث ہے۔ آج اسی کے غسل آخر پر اسی کا نام پڑھا جا رہا ہے، اور فاطمہ باپ کے اوپر پانی ڈال کر بآواز بلند کہہ رہی ہیں:-

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

مسلمانوں نے سرورِ کائنات کی تصدیق ان کی حیات میں ان الفاظ سے کی اور بعد ممات یہ آخری تصدیق جسد خاکی پر اہلبیت کی زبانی ہوئی دو بجے کے قریب غسل سے فرصت ہو گئی تو کفن کا وقت آیا۔ یہ بارہ آنہ گز کا لٹھا اور دس آنہ گز کی تن زیب نہ تھی، اور ہوتی کہاں سے۔ سردارِ دو جہاں کے گھر میں رکھا ہی کیا تھا۔ جلانے کا تیل تو میسر تھا ہی نہیں۔ معمولی موٹے جھوٹے کفن میں اس پاک جسم کو جو مسلمانوں کی جان اور

کہ رسول خدا کو اسی جگہ دفن ہونا چاہیے، جہاں روح نے عالم بالا کو پرواز کیا ہے،

کیسا قیامت خیز سماں ہے جو لوگ پروانوں کی طرح ہمیشہ اس شمع پر نثار رہے جس بچہ کی زبان سے اس حالت میں کہ جب تمام دنیا دشمنی اور قتل پر کمر بستہ تھی یہ الفاظ نکلے تھے کہ رسول اللہ میرے ماں باپ فدا میں آپکے ساتھ ہوں، جس بیٹی کی زبان سے ہمیشہ یہ نکلا یا رسول اللہ بھوک کی شدت میں آپکے جمال جہاں آرا سے تمام تکلیف رفع ہوجاتی ہے۔ آج وہی رسول اکرمؐ کے واسطے قبر کھود رہے ہیں کہ اس جسد خاکی کو پیوند زمین کر دیں،

قبر تیار ہوگئی اور وہ وقت بھی آگیا کہ فقط اس ذات پاک کا نام اور اسکے کام باقی رہ جائیں، نماز جنازہ ادا ہوئی اور وہ جان فدا کرنے والے جو عاشق زار اس صورت کے تھے میت کی نماز پڑھنے لگے، اور سیدہؓ نے جس دل سے باچشم گریاں رسول اکرم کو سپرد خاک کیا اسکی کیفیت کا اظہار کم از کم ہمارے قلم سے ناممکن ہے۔

خلافت

تدفین کے بعد خلافت کی ضرورت پیش آئی چونکہ رسول اکرمؐ نے اسکے متعلق کوئی فیصلہ نہ فرمایا تھا اسلیئے خلافت میں مسلمانوں نے اختلاف کیا اور مختلف گروہ مختلف خیال ظاہر کرنے لگے۔ یہ بحث ہمارے مضمون سے متعلق نہیں ہے ہم اسکو نظر انداز کرتے ہیں مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ باوجود اس علم وحلم کے جو حضرت علیؓ کا مخصوص حصہ تھا، باوجود اس فضیلت کے جسکا اعتراف رسول اکرمؐ نے بارہا فرمایا، باوجود اس شجاعت وجرأت کے جو کفار کے مقابلہ میں ان سے ہمیشہ ظاہر ہوئی باوجود ان خدمات اور ایثار کے جو انہوں نے اسلام پر ظاہر کیں باوجود اس اعزاز کے کہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان تھے صرف اسوجہ سے کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے شوہر تھے، باوجود کم سنی اور ناتجربہ کاری کے

طرح طرح سے طے کرنے کی کوشش کی مگر آزہرا کو اس سے کوئی خاص واسطہ نہیں ہے بہر حال حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ہوا - اور وہ خلیفہ اول مقرر کئے گئے۔

فراقِ پدری سیّدہ کی حالت روز بروز ابتر ہو رہی تھی اور کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا تھا کہ وہ فراقِ پدری میں بے چین نہ رہتی ہوں، خلیفہ اولؓ اور حضرت علیؓ ان کی دلجوئی میں کوشش کرتے مگر وہ کسی وقت اس صدمہ کو نہ بھولتیں،

کس کا گھر اور کہاں کا شوہر، کیسے بچے اور کدھر کی زندگی، انکی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی، رات دن مزار مبارک پر بیٹھی آنسو بہاتیں اور جب نیند کا غلبہ ہوتا تو وہیں باپ کی پائینتی پڑ رہتیں، حسنینؓ روٹی لیجاتے تو بمشکل تھوڑا بہت کھالیتیں حضرت علی تشریف لیجاتے تسکین دیتے تو ان کے ساتھ گھر آجاتیں، مگر جب دل میں ہوک اٹھتی اور رسول اللہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تو بیتاب ہو کر دیوانہ وار مزار مبارک پر جاگرتیں - روتیں اور کہتیں :-

آج میرا باپ مجھ سے جدا ہو گیا اور وہ شمع جس نے عرب کے جنگل روشن کر دیے گل ہو گئی،

اب دنیا کی مصیبتیں میرے سامنے ہیں اور میں بن ماں کی بچی فاطمہ اسوقت اپنے باپ کے فراق میں رو رہی ہوں،

قیامت خیز تھی وہ رات جس نے میرے سر پر مصیبت کا پہاڑ ڈھا دیا میری زندگی بری ہے جو اس صدمہ سے بھی ختم نہ ہوئی،

میرے باپ کی روح پرواز کر گئی مگر وہ جسم اطہر اس خاک کے اندر زندہ ہے

مزار مقدس کی خاکِ پاک سیدہ کا اوڑھنا اور وہی بچھونا تھا۔ آدھی آدھی رات اسی طرح بسر ہو جاتی اور ان کا دل نہ سنبھلتا۔ کبھی حسن کو دیکھ کر رو دیتیں اور کبھی حسین کو گود میں لیکر بلبلاتیں اور کہتیں "

حسنین تمہارے نانا خدا کے سچے رسول مجھ کو چھوڑ گئے، وہ یہاں زندہ ہیں مگر حسنین تمہاری ماں مرگئی، اور مدینہ اُجڑ گیا۔

ملا حسن شیرازی لکھ رہا ہے کہ ایک رات اسی طرح ماہئی بے آب کی طرح فراق پدری میں تڑپتے تڑپتے مزار مبارک سے لپٹے ہوئے سیدہ کو نیند آگئی تو کیا دیکھتی ہیں، کہ رسول اکرم تشریف لائے۔ اپنے دست مبارک سے بچھڑی ہوئی بچی کے چہرہ سے خاک پونچھی، پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر فرمایا:۔

"میری جان! میں خود تجھ سے ملنے کا منتظر ہوں، فاطمہ جنت تیرا انتظار کر رہی ہے خوش ہو جا کہ تو جلد مجھ سے ملیگی، خدا سے دعا کر کہ وہ تیری تکلیفوں کا خاتمہ کر دے "

سرور کائنات کا چہرہ اقدس نظر آنا تھا کہ سیدہ فرطِ محبت سے بیتاب ہو کر اٹھ بیٹھیں اور چاروں طرف دیکھنے لگیں کہ شاید حضور اکرم نظر آجائیں، اس وقت دل کی حالت بہت خراب تھی کلیجہ نکلا پڑ رہا تھا۔ اور جس صورت کے فراق نے خاک میں ملا دیا تھا، کہیں نظر نہ آتی تھی، کلیجہ مسوس کر رہ گئیں۔ مٹی کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی طرف جھکیں اور لپٹ گئیں۔ آنسوؤں کا دریا آنکھ سے بہ رہا تھا، دنیا عالم خواب میں تھی، اور رسول زادی اپنے باپ کی یاد میں مزار اقدس پر آنسو کے قطرے گرا رہی تھی، اٹھکر وضو کیا، اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی کہ الہ العالمین تیرے رسول کا فراق تیرے لئے نعمت اور میرے لئے مصیبت ہے، فاطمہ تیری کنیز تیری درگاہ سے کبھی مایوس

رسالت مآبؐ کی رحلت پر ابو سفیان نے جو مرثیہ لکھا ہے اسمیں وہ اپنے حزن وملال اور اس فراق کی حالت کو لکھتے ہوئے سیدہؓ کے رنج کو ان الفاظ میں ادا کر رہے ہیں :-

"فاطمہ جس قدر غمگین ہوں کم ہے، اگر وہ خوش ہو سکتی ہیں کہ انکے باپ دنیا کے رہنما تھے"

منافقوں کی شرارت

ہم اس تکلیف کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے جو بی بی فاطمہؓ کو سرور عالم کی رحلت سے پہونچی، رنج اور خوشی انسانی زندگی کے لوازم ہیں مگر خوش ہونا تو درکنار ان کے چہرہ پر باپ کے بعد کبھی مسکراہٹ تک نہ آئی، بیٹے بیٹیاں، شوہر، گھر سب ہی سامان موجود تھے، اور انسان کا دل بہلانے کو یہی سامان ہوا کرتے ہیں مگر ان کی حالت رسول اکرمؐ کی رحلت سے اپنی رحلت تک روز بروز اور لحظہ بہ لحظہ بگڑتی ہی گئی، روتی پکارتی ہیں، پکارتے پکارتے دفعتہً سرور عالم کا خیال آگیا اور آنسو نکل پڑے، بچوں کے کپڑے سی رہی ہیں اور سیتے سیتے جہاں اس پاک ذات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھری ایک ٹھنڈا سانس بھر کر ساکت ہو گئیں، حسنین بچے تھے، حضرت علی نے سمجھانے میں تسکین دینے میں دلداری میں دلجوئی میں کسی طرح کمی نہ کی مگر وہ پھانس جو چبھ چکی تھی نہ نکلی اور جو زخم اندر ہی اندر بڑھ رہا تھا کسی طرح نہ چھوٹا،

ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے اشخاص کا وجود ہوتا ہے، جنکا نصب العین محض آدمیوں کو بھڑوا کر سیر دیکھنا ہو، عرب میں ایسی کیا خصوصیت تھی کہ وہ ان افراد کی ہستی سے محروم رہتا ان لوگوں نے اپنی کارستانی تو رسول اللہ کی زندگی ہی میں شروع کر دی تھی اور یہاں تک غضب ڈھا دیا تھا کہ رسول اللہؐ حالت نزع میں ہیں اور یہ حضرت علی سے کہہ رہے ہیں کہ دیکھو[1] خلافت کے قصے کو طے کر لو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے، مگر وہ تو حضرت علی کی دانشمندی

[1] نعوذ باللہ حضرت عباس سے مراد نہیں ہے، حضرت عباس نے تو اچھی نیت سے یہ خیال ظاہر کیا تھا،

گیا، تو ظالم اب بھڑتاک میں رہے کہ کسی طرح کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا کر دیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور دل میں مشرکوں سے بدتر اور اگر غور سے دیکھا جائے تو سیدہ۔ جیسی معصوم صابر و شاکر بی بی کو بھڑکانا اور تکلیف پہنچا کر تماشہ دیکھنا ایک ایسا فعل ہے کہ جس سے زیادہ ظلم جس سے بڑھ کر سنگدلی جس سے بدتر وحشیانہ حرکت کا امکان نہیں، جو بی بی خود ہی مر رہی ہو جسکو خود دنیا سے نفرت ہو جو ہر وقت دنیا سے چلنے کے واسطے تیار، اور باپ کے ہجر میں اس قدر بے قرار ہو کہ ساری ساری رات قبر پر پڑی روتی رہے اس کا تماشہ دیکھنا ان ظالموں سے کم نہیں ہے، جنہوں نے فاطمہ کے لال کو میدان کربلا میں تڑپتے دیکھا، جنہوں نے اہلبیت رسول کو زینب و صغرےٰ کو بے برقع و چادر یزید کے دربار میں دیکھا۔

وہ بی بی جو اس حالت میں نہیں اس سے پہلے اسوقت جب باپ زندہ شوہر موجود بچے موجود اس درجہ ایثار کرے، کہ متواتر فاقے ہوں دو دو تین تین وقت اڑ کر ایک دانہ منہ میں جائے اور بے زبان بچوں کو کلیجہ سے لپٹا کر یاد الٰہی میں صبح کر دے اور پھر جو کچھ میسر آ جائے وہ بھی سایل سے عزیز نہ رکھے، پانچ وقت کے بعد پکی پکائی روٹی اور تیار رہوا کھانا ان معصوم آنکھوں کے سامنے سے اٹھا کر خدا کی راہ میں دے دے اس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ دنیا کی فانی جائداد و املاک پر نظر ڈالے، نعوذ باللہ من شرور انفسنا فدک کی ابتدا ان ہی کمبختوں سے ہوئی ہے، جنہوں نے بھولی بھالی سیدانی اور سیدھی سادی بنت الرسول کو بہکا کر فدک کے دعوے پر آمادہ کر دیا اور امیر علیہ السلام کو بھی باڑ پر چڑھا لیا۔

فدک — اس سے پہلے کہ ہم فدک کی بحث شروع کریں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ بعض

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اس دعوے سے

ہرگز ہرگز حضرت سیدہ کی شان میں مطلق فرق نہیں آتا۔ فدک کے دعوے میں حضرت سیدہ کی کسی ذاتی خواہش کو دخل نہ تھا۔ نہ انکی حالت اس قابل تھی کہ دخل ہو سکتا تھا، وہ دنیا اور کائنات دنیا سے متنفر ہو گئی تھیں ان کو اگر زندگی میں کوئی کام تھا تو صرف وصال پدر، باقی ہر چیز ہیچ اور بے سود،

دعویٰ فدک دائر ہوا۔ اور یہ ان ہی مفسدوں کی کوشش کا نتیجہ تھا جو رسول اللہ کی حالت مرض ہی سے اس فکر میں تھے اور اب اس صورت میں ظاہر ہوا،

فدک درحقیقت ایک موضع ہے جو خیبر سے ایک منزل اور مدینہ سے دو ڈھائی روز کا رستہ ہے جسمیں کچھ کھجور کے درخت اور چشمے تھے جو خدا نے اپنے پیغمبر پر فئے کیا تھا، ہجرت کے ساتویں سال یہ گاؤں سرور کائنات کے پاس آیا۔ جب خیبر فتح ہو چکا اور مسلمان قابض ہو گئے تو باشندگان فدک کو جو یہودی تھے اندیشہ ہوا کہ اگر مسلمانوں نے فدک پر حملہ کیا تو فتح ضرور کر لیں گے لیکن خواہ مخواہ خونریزی ہوگی اور جانیں ضائع ہونگی، بہتر یہ ہوگا کہ ہم خود ہی مسلمانوں سے اسکے متعلق گفتگو کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا پیغام سرور عالم کی خدمت میں بھیجا، ان کا سردار یوشع بن نفرن تھا، جس کی طرف سے قاصد نے جاکر کہا کہ آپ نصف فدک منظور فرمائیے، اور ہم سے تعرض نہ کیجئے چنانچہ آپ نے یہ درخواست منظور فرمائی، وہ لوگ وہیں بدستور رہنے سہنے لگے، سال کے ختم پر سرور دوعالم اپنے آدمی بھیجدیتے تھے۔ اور جو کچھ غلہ یہاں سے ملتا تھا وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے واسطے رکھ کر باقی مسافروں کے واسطے دیدیتے تھے۔ جو انکی مہماں نوازی میں صرف ہوتا تھا،

فدک کے معنی اگر یہ ہیں ... بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے خدا مسلمانوں کو

کے واسطے اناج رکھہ کر جو بچتا تہا وہ ان مسافروں پر صرف فرمادیتے تھے جو اسلام کے سلسلہ میں آتے تھے، اسلیئے لوگوں نے حضرت سیدہ سے یہ کہا کہ فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے اور اسکی جائز وارث آپ ہیں، آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا وارث نہیں ہو سکتا،

خلیفۂ اول نے سیدہ سے کہا کہ بنت رسول اللہ آپ کا دعوئے میراث حق بجانب نہیں ہے، کیونکہ انبیاء کا ورثہ نہیں ہوتا آپ کو خود رسول اکرم کے الفاظ یاد ہو نگے اور آپنے صریح الفاظ میں فرمادیا ہے لا یورث نحن الانبیاء،

رسول اللہ کی پاک زندگی کی حالت جاننے والے اچھی طرح واقف ہیں کہ آپ کا کوئی قول کوئی فعل ایسا نہ تہا جو مسلمانوں سے پوشیدہ ہو۔ یہ تو وہ وقت تھا کہ اگر ذرا کسی کی طبیعت کے خلاف آپ کی زبان مبارک سے کوئی لفظ نکلا یا شبہ کی گنجایش ہوئی۔ تو فوراً اڑ گیا۔ اور جب تک تشفی نہ ہوئی آگے نہ بڑھا۔ جب عام مسلمانوں کی یہ کیفیت تھی تو سیدہ جو جگر گوشۂ رسول تھیں کس طرح رسول اللہ کے ارشاد سے غافل ہوتیں، یا لاعلم ہوتیں، مگر خدا سمجھے ان مفسدوں اور سب سے زیادہ جعفر ابن نصیر سے جنہوں نے معاملہ کو یہاں تک پہنچادیا، خلیفۂ اول کا یہ ارشاد سیدہ کے واسطے بہت کافی تھا، باپ کا نام سنتے ہی ان کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے، اور وہ خاموش ہو گئیں،

قضیہ فدک جو بیج صدیوں سے پرورش پاتے پاتے آج اتنا گھندار درخت بن چکا ہے کہ اس کے کانٹے رستہ چلتوں کے کپڑے پھاڑ رہے ہیں اس کا اکھاڑنا تو در کنار اکھاڑنے کی کوشش اور خیال بھی ایک غلطی ہے لیکن اہل تشیع کے عقاید میں بعض باتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں جو اگر سچ سمجھ لی جائیں تو کم از کم سیدۃ النساء کی اس شان

تھا، اسکے بعد دعوئے فدک کے خارج ہونے کا اتنا صدمہ ہوا کہ علی الاعلان انہوں نے خلیفہ اول کو برا بھلا کہا حضرت عمر سے ہشت مشت ہوئی، امیر علیہ السلام تمام رات ان کو لئے ہوئے انصار و مہاجرین کے پاس در در پھرتے رہے اور سب نے یہ ہی جواب دیا۔ کہ اب تو ہم مجبور ہیں۔ بیعت کر چکے اگر آپ پہلے سے فرماتیں تو ہم ان کے ہاتھ پر بیعت ہی نہ کرتے،

ان کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پہلے دعوئے ہبہ کیا تھا جس پر خلیفہ اول نے شہادت طلب کی، چنانچہ حضرت علیؑ ام ایمن، اور حسنین علیہم السلام کو انہوں نے پیش کیا، لیکن خلیفہ اول نے حضرت علی کی شہادت اسلیئے کہ وہ سیدہ کے شوہر ہیں نامنظور کردی اور یہ کہہ کر کہ شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوتا دعویٰ خارج کر دیا،

یہ کچھ انسان کی سرشت ہی معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی نمایاں کام شروع کیا یا وہ ممتاز ہوا تو اس کی کوئی ادا دوسروں کو نہیں بھاتی، پہلے اس کے کاموں میں نکتہ چینی ہوتی ہے۔ اس سے کام بن گیا اور وہ ٹھنڈا ہو گیا تو فبہا ورنہ کھلم کھلا مخالفت کی اور اگر زندگی میں کچھ حاصل نہ ہوا تو کم از کم مرنے کے بعد اپنی ایسی یادگار چھوڑ دی کہ دنیا آسانی سے کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرلے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لیجئے۔ یہودی کیا کہتے ہیں، خود ان کی بابت ان کی مقدس اور بزرگ ماں مریم کی بابت ان کے حوارئین کی بابت، عیسائی ہیں وہ رسول اکرم کی بابت کیا کچھ نہیں کہتے ان کی تعلیم و تلقین کے متعلق ان کی زندگی کے متعلق ان کے اعیان و انصار کے متعلق مسلمانوں ہی کے اس گروہ کو لے لو، جو خوارج و نواصب کے نام سے مشہور ہے کہ اہلبیت کی

سمجھتے ہیں اسکی شان میں قصیدے کہے گئے جو ابتک موجود ہیں اس زمانہ کو چھوڑ کر موجودہ زمانہ پر نظر ڈالو تو اب بھی یہ کلیہ حرف بہ حرف واقعیت کی میزان میں پورا اترے گا۔ مولانا عبدالقادر، مولانا شاہ عبدالعزیز، سرسید کون تھا جو ہدف ملامت نہ بنا ہو لیکن سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے مقابلہ میں ان کے خیر خواہ نادان دوست سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، اپنی لغو عقیدتمندی سے ان کی ارفع و اعلیٰ شان کو گم کردیا اور بنت الاتقیا حسنات کو خاک میں ملا کر ہمارے ہی جیسا انسان بنا دیا،

قضیہ فدک پر ایک نظر

سب سے پہلی بات خلافت کے متعلق ہے کہ سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو خلیفہ اول کی خلافت سے رنج پہونچا، اسلیئے کہ انہوں نے خلیفہ ہو کر امیر علیہ السلام کے حق خلافت کو غصب کیا،

یہاں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، اول یہ کہ خلیفہ اول نے خلافت کو قابل غصب سمجھا دوسرے سیدۃ النسا اس مزاج کی بی بی تھیں کہ اسکے نہ ملنے سے انہوں نے رنج محسوس کیا،

ہم جہاں تک اس معاملہ پر غور کرتے ہیں ہم کو دونو باتیں غلط معلوم ہوتی ہیں، اس زمانہ کی خلافت بادشاہی نہیں ایک مصیبت تھی جو تمام ممکن ذمہ داریوں کا بوجھ خلیفۂ وقت کی گردن پر رکھدیتی تھی، خلیفۂ اول کے امکان میں جہاں تک تھا انہوں نے اس سے گریز کرنا چاہا۔ خود ہی لوگ جو معترض ہیں اس انکار کے معترف ہیں، رہی دوسری بات کہ سیدہ ناخوش ہوئیں، افسوس اس سے بھی ہم کو اتفاق نہیں۔ جناب عینی لکھ رہا ہے کہ جوں ہی امیر علیہ السلام کو خلیفۂ اول کی خلافت اور بیعت کی خبر ہوئی حضرت علی نے فوراً بیعت کرلی، اگر ہم اسکو کبھی نہ مانیں تو وہ خلافت ایسی نعمت نہ تھی کہ

کا باپ نے عمر بھر اعتراف کیا، باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی ناپائدار دنیا کی عارضی خوشی کے واسطے بیٹی اس سے ایسی فرنٹ ہو گئی کہ وہ بدو معمولی آدمیوں کی طرح لڑنے لگی،

اس سلسلہ میں چار آدمی منسلک ہیں شیخین امیر علیہ السلام و سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان چاروں کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالکر ہم اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ یہ خیال کس حد تک درست ہے،

ان الفاظ کے علاوہ جو سرور عالم نے حضرت ابوبکر و عمر کی بابت فرمائے ان کے خطابات صدیق و فاروق کو چھوڑ کر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دشمن اسلام جو بلحاظ عداوت اب بھی قریش سے کم نہیں، اسکے سوا چارہ نہیں دیکھتے کہ ان کے خلوص اور ایمانداری کا اقرار کریں، ایک غیر مسلم جسکو اسلام سے پوری عداوت ہے یوں لکھتا ہے:-

"چاروں خلفاء کے اطوار صاف اور یکساں ضرب المثل تھے، انکی کوششیں اور انہماک خلوص سے بھرپور تھا، انہوں نے بااختیار ہونے کے بعد اور عزت و ثروت پر بھی اخلاقی اور مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کی اور یہی لوگ محمد کے ابتدائی مشوروں میں شریک رہے تھے" سر ولیم میور جو تعلق اسلام کی وجہ سے پڑھے لکھے مسلمانوں میں خصوصیت سے مشہور ہیں لکھتے ہیں کہ

"آخری دم تک ابوبکر کا دماغ ان کے خیالات اور صفائی قلب تبدیل نہ ہوئی بیت المال میں سے جو رقم لوگوں کے اصرار سے وقتاً فوقتاً لینی پڑی وقت مرگ وہ تمام اپنی جائداد فروخت کر کے واپس کر دینے کی وصیت فرما دی، تاکہ مسلمان اپنے روپیہ سے محروم نہ رہیں اور ان کا روپیہ خلیفہ وقت کے کام نہ آئے۔ عدالت حضرت عمر کے سپرد تھی، کتابت حضرت علی کے، ہر معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت علی سے مشورہ ضرور

ہو پہنچ سکتی تھی، جیسا کہ سمجھا جاتا ہے جو شخص ایک جانور کو دیکھ کر رونے اور یہ کہے کہ یہ مجھ سے بدرجہا بہتر اسلیئے کہ حساب آخرت سے محفوظ ہے اور شب و روز اس خوف سے لرزا کرے کہ دیکھئے بعد موت حساب کتاب کے وقت کیا گزرے گی، اس سے اتنا بڑا ارتکاب کہ کسی معمولی آدمی کو بھی نہیں، بنت الرسول کو حق جایز سے محروم کر دے ہمارے تو قیاس میں نہیں آتا۔ خلیفہ دوم یعنی عمر وہ شخص جس کی بابت دشمن اسلام یہ کہے کہ عمر وہ شخص تھا جسکے فیصلہ میں کبھی پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی کس طرح مان لیا جائے کہ رسول زادی کی توہین نہیں اتنا مارا اور پیٹا کہ حمل ساقط ہو گیا، جب حضرت علی خلیفہ ہوئے ہیں اور اپنے زمانہ خلافت میں ایک روز رات کے وقت گلیوں میں پھر رہے تھے، رمضان المبارک کا مہینہ تھا مسجدیں بقعہ نور بنی ہوئی تھیں، بیساختہ کہنے لگے خدا عمر کی قبر کو ایسا ہی روشن کرے۔ جیسا وہ خدا کے گھروں کو روشن کر گیا،

اب ہم اصلی معاملہ پر غور انظر ڈال لیں کہ آیا رسول اللہ سے یہ ممکن تھا کہ وہ فدک سیدہ کو دیدیں۔ اس سلسلہ میں ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جس وقت فدک سرور کائنات نے اپنی بیٹی کو دیا اسوقت اسلام کی مالی حالت کیا تھی۔ آیا اشاعت اسلام ایلچیوں کے مصارف، مہمانوں کے قیام، غیر مسلموں کے حملوں وغیرہ وغیرہ کیلیئے روپیہ کی جو ضرورتیں ہوتی تھیں وہ کس طرح پوری ہوتی تھیں، اور اگر خود یہ ضرورتیں بآسانی پوری نہ ہو سکتی تھیں تو کیا محمد رسول اللہ کی رسالت سے یہ ممکن تھا کہ وہ بیٹی کو چوبیس یا ستر ہزار کی آمدنی کی جائداد دیدیتے اور اسلام کی مطلق پروا نہ کرتے۔ فدک ہجرت کے ساتویں برس رسول خدا صلعم کے قبضہ میں آیا ہے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمان پیٹ بھر کر

جاتا، دشمن ہر طرف سے نرغہ لئے ہوئے تھے، ان تجیوں کا تار بندھا ہوا تھا، جہاد
کی ضرورت ہر لحظہ آنکھ کے سامنے درپیش تھی، اور آلات حرب کی ضرورتیں پوری نہ
ہوسکتی تھیں، ایسے نازک زمانہ میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی تھی
کہ وہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کریں، لوگ خود فاقہ کرتے، بچوں کو بھوکا رکھتے اور
اپنا مال فی سبیل اللہ اپنے رسول کے سامنے لاکر رکھتے اور ضرورتیں پوری نہ ہوتیں
رسالت مآبؐ ایک ایک کا منہ تکتے اور خدا کا شکر کرتے، ایسے مواقع جس شخص کے
سامنے ہوں جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسا اسلام کا عاشق ہو، جس شخص کو اسلام
اور اسلام کی دھن کے آگے دنیا کی ہر شئے ہیچ معلوم ہوتی ہو، اس سے یہ توقع رکھنا
اور اس بات کو سچ سمجھنا کہ اُس نے چوبیس ہزار یا ستر ہزار کی جائداد الگ اپنی بیٹی
کو دیدی۔ رسول اللہ کی رسالت کے متعلق کیا بتاتا ہے اور غیر مسلم اس سے کس
نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں جو اصل مقصد اسکی زندگی کا ہے وہ پورا نہ ہو، اسلام
خطرہ میں پڑا رہے اور ایک ایک پیسہ کو ترسے اور رسول اللہ فدک سیدہ کو دیدیں
اور باقی تمام عزیز واقارب کو محروم کردیں، توبہ توبہ، وہ پاک ذات جو مکارم
اخلاق کی تکمیل کے لیئے بھیجی گئی۔ جسکو اپنے نمونہ سے اہل دنیا کو زندگی کا سبق دینا
تھا، جسکو بتانا تھا کہ دنیا اور دنیا کی زندگی کیا ہے۔ جسکو زندگی سکھلانی تھی، اس سے
ایسا فعل نعوذ باللہ اور اسوقت کے مسلمان جن میں نئے نئے لوگ تھے جن کا ذرا
سے شبہ پر فرنٹ ہوجانا ممکن تھا، اس ایک فدک کے معاملہ سے کیا کچھ نہ کر گذرتے
اور اسلام پر کیسے ثابت قدم رہتے، اسکے ساتھ ہی یہ خیال بھی پیش نظر رہے کہ سیدہ
جیسی محترم بی بی جو رسول اکرم جیسے باپ کی بیٹی تھی اسکو روا رکھتی کہ تمام عزیز محروم

ایسے رکیک فعل سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی اور ہرگز ہرگز ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہو سکتا تھا، کتب اہل تشیعہ ثابت کر رہی ہیں کہ غزوہ آخر غزوہ تبوک تھا، اور یہ وہ موقعہ ہے کہ افلاس و عسرت کی وجہ سے اس کا نام جیش العسرۃ مشہور ہے چونکہ رسول اللہ کے پاس اس غزوہ کے واسطے سامان کافی نہ تھا، خدا کی طرف سے آیتیں نازل ہونی شروع ہوئیں، مسلمانوں نے مدد دی، مگر یہ مدد کافی نہ ہو سکتی تھی اس لیے اس آیت کا نزول ہوا۔

انفروا خفافاً وثقالاً وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ اس آیت کا نازل ہونا تھا کہ مسلمان فوراً اٹھے اور جو جس کے پلے تھا لا کر حاضر کرنا شروع کیا، حضرت عمرؓ اپنا نصف مال لے آئے ابو بکرؓ تمام عبدالرحمٰن بن عوف عباس بن عبدالمطلب طلحہ بن عبداللہ سعد بن عبادہ محمد بن سلمہ غرض اپنی اپنی حیثیت کے موافق جو جس سے بن پڑا لے آیا۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ جن کے پاس نقد نہ تھا انہوں نے کھانے پینے کی چیزیں حاضر کیں عاصم بن عدی نے سو وسق خرمے ابو عقیل انصاری نے سوا سیر چھوہارے اور یہ وہ چھوہارے تھے جنکو رسول اللہ نے سب کے اوپر رکھا، مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی جانیں اپنے رسول پر سے قربان اور اسلام پر فدا تھیں، مگر روپیہ پیسہ تو در کنار ایکوقت کا کھانا بھی میسر نہ تھا، روتے ہوئے آئے اور عرض کیا، اے خدا کے سچے رسول ہمارے پاس سوا ہماری جانوں کے کچھ نہیں ہے ہمیں سواری دیجے کہ آپکے ساتھ چلیں، اسپر سرور عالم نے فرمایا جو کچھ تم چاہتے ہو میرے پاس نہیں، یہ لوگ رونے لگے اور انکی جماعت بکائین کی جماعت کہلاتی ہے، المختصر تیس ہزار مسلمانوں میں صرف ہزار سواریاں

پوری نہ فرما سکتے تھے۔ یہ ابتدائی حالت نہ تھی بلکہ ہمیشہ رسول اللہ کی مالی حالت ایسی ہی رہی، عمر کے سال آخر یعنی حجۃ الوداع کے بعد جب آپ مدینہ تشریف لائے ہیں تو امام جعفر صادق سے ایک حدیث منقول ہے اور اہل تشیع کی مشہور کتاب کافی میں درج ہے کہ انصار نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ باہر سے قاصد آتے ہیں آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم کچھ خدمت کریں کیونکہ آپ کے اس افلاس پر دشمن ہنستے ہیں،

ان واقعات سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی مالی حالت کیسی تھی اور مسلمان کس تکلیف کی زندگی بسر کر رہے تھے، کیا ایسی حالت میں رسول اللہ کا یہ فعل کہ فدک سیدہ کو دیدیں وہ لوگ جایز سمجھ سکتے تھے اور رسول اللہ کی مجبوری کو تسلیم کر سکتے تھے۔ علاوہ ان واقعات کے دو واقع خود سیدہ کے ساتھ ایسے پیش آئے ہیں جو معاملہ کو قطعی فیصل کر رہے ہیں،

صاحب قرب الاسناد امام جعفر صادق کی روایت سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ امیر علیہ السلام اور سیدۃ النساء خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ کاروبار خانگی تقسیم فرما دیجائے۔ سرور عالم نے گھر کے اندر کا کام زہراؓ کے اور بازار کا تمام کام امیر کے متعلق طے کر دیا، جس سے ظاہر ہے کہ کوئی نوکر یا خدمت گار موجود نہ تھا صاحب علل الشرائع امیر علیہ السلام سے روایت کر رہا ہے کہ خانگی تکالیف سے اکتا کر سیدہ ایک موقع پر رسول اللہ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ کوئی خادم طلب کریں، تاکہ پانی بھرنے مشکیں ڈھونے اور چکی پیسنے سے جسم پر جو نشان

اپنی اولاد یا عزیزوں کا درجہ عام مسلمانوں سے زیادہ کر دیں، اور انکی آسایش کا خیال کسی حال میں رسول اللہ کو دوسروں سے زیادہ تہا درحقیقت وہ خلق خدا کو ایثار علی النفس سکھلانے آئے تھے، کیا ایثار علی النفس تلقین کرنے والا انسان ایسا کر سکتا ہے، کہ فدک اپنی بیٹی کو دیدے،

صاحب عیون الاخبار امام زین العابدین سے روایت کر رہے ہیں کہ اسماء بنت عمیس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ نے سیدۃ النساء کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا اور یہ امیر علیہ السلام نے ان کے واسطے خریدا تہا رسول اکرم نے دیکھ کر فرمایا، کیوں فاطمہ لوگ تمہارا گلوبند دیکھ کر یہ نہ کہیں گے کہ محمد کی بیٹی فاطمہ جابرہ یعنی مغرور امیروں کا سا زیور پہنتی ہے، اتنا سنتے ہی سیدہ نے اُسے توڑ ڈالا اور بیچکر ایک غلام خریدا اور اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا، جس سے رسول اللہ بہت خوش ہوئے،

روارہ کافی میں امام باقر سے روایت کر رہے ہیں کہ ایک موقعہ پر سیدہ نے دو کنگن چاندی کے بنوائے اور ایک پردہ اپنے دروازہ پر لٹکایا، سرور عالم سفر میں تھے جب واپس تشریف لائے تو سیدہ کے ہاں گئے، سیدہ ہشاش بشاش رسول اللہ کی طرف دوڑیں، رسول اللہ ہاتھوں میں کنگن اور پردہ دیکھ کر بغیر تشریف رکھے واپس چلے گئے، سیدہ رونے لگیں، اور اسی وقت حسنین کو بلاکر ایک کو کنگن اور دوسرے کو پردہ دیکر فرمایا کہ جاؤ اور کہو آپکی عدم موجودگی میں ہم نے یہ دو چیزیں بنائی ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں، یہ حاضر ہیں، جو مناسب خیال فرمایئے وہ کیجئے، رسول اللہ نے دونوں بچوں کے منہ چوم لیئے گود میں بٹھایا اور حکم دیا کہ یہ دونو چاندی کے کنگن توڑدو اور اہل صفہ کو جنکا کوئی گھر در نہ تہا، اور مسجد نبوی میں پڑے رہتے تھے بلاکر وہ چاندی کنگنوں کی تقسیم کر دی،

خدا رحمت بھیجے فاطمہ پر ان کو جنت کے حلے دے اس بخشش کے بدلے جو انہوں نے کی، اور اس پردے کے بدلے جس سے ننگے مسلمانوں کا بدن ڈھنکا اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے جو انہوں نے غربا میں تقسیم کئے،

ان واقعات کے بعد اب کون ایسا شخص ہوگا جو یہ یقین کر سکتا ہے کہ رسول اللہ نے ستر ہزار کی جاگیر اپنے بیٹی کو عطا کر دی ہو،

اب ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ رسول اللہ کا انتقال ایسا صدمہ نہ تھا جو سیدہ جیسی بیٹی باآسانی برداشت کر سکتی، یہ کہنا کہ ان کے ہوش و حواس میں اس واقعہ سے فرق آگیا، یقیناً غلط ہوگا، مگر یہ کہنا قرین قیاس ہوگا کہ یہ وہ وقت تھا جب ہر بات کا اثر ضرورت سے زیادہ ان کے مزاج پر ہو رہا تھا، وہ فراق پدری میں ہر شے کو فراموش کر چکی تھیں اور اگر شب و روز ان کو کچھ کام تھا تو باپ کی یاد میں گریہ و زاری، انکو نہ خلافت سے واسطہ تھا نہ فدک سے، جو صدمہ سیدہ کو باپ کے انتقال سے پہونچا، وہ زایل تو کسی طرح نہ ہو سکتا تھا، یہ خواہ مخواہ کی رخنہ اندازیاں اور دھڑے بندیاں جو مسلمانوں میں پیدا ہو گئیں اور جس کی وجہ سے اسلام کو ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑا اور پڑ رہا ہے، سب بعد کے جھگڑے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت تک انکا مطلق پتہ نہیں تھا، خلیفہ اول کے علم و فضل ان کی اخوت و محبت اور سب سے زیادہ ان کی اسلامی خدمات اور اس ہی کے قریب قریب شفقت رسول اللہ بہ حیثیت مجموعی ایسی صفات تھیں جو ایک انسان کو کامل چھوڑ اکمل بنا دیں،

محی الدین ابن عربی ایک موقعہ پر لکھ رہے ہیں اور ان کے اس خیال کی تائید خود اسلام کر رہا ہے کہ خلیفہ اول کے ان احسانات کے علاوہ جس سے اسلام کبھی سبکدوش

رسول اللہؐ اور زندہ رہتے تو قریب آگیا تھا وہ وقت کہ حضرت ابو بکر سے پردہ کرنے لگتے
باوجود اس حالت کے ان کو ہمیشہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مجھ سے کسی معاملہ میں غلطی نہ ہو جائے۔

ایک روز اسی حالت میں وہ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے، پریشانی کا یہ عالم کہ کسی سے بات نہ کرتے تھے، آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی تھیں، عشق رسول کا یہ حال تھا کہ روضہ اقدس کے روبرو آنکھیں بند کئے کھڑے تھے، اور استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ صبح کا نکلا ہوا آفتاب سر پر گذر گیا، اور آفتاب بھی ہندوستان کا نہیں عرب کا لیکن پاؤں نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی باوجود اس احساس کے جو انسانی ہستی مشکل سے کر سکتی ہے، ایسی خلافت کے فرائض انجام دیئے جس میں امیر المومنین کی وقعت ایک معمولی مسلمان سے زیادہ نہ تھی، الحق صدیق ہی جیسے بشر کا کام تھا، جب فدک کے متعلق باوجود ایسی زبردست دلائل اور احادیث کے جو پیش ہو رہی ہیں، ہمارے دلکو بھی نہیں لگتا، ورنہ انگلی ٹکانے کی بھی گنجائش مل جاتی تو ہم سیدہ کے لیے پوٹھ ٹیک دیتے۔ اسلیئے ہم یقیناً یہ نہ کہیں گے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ کو کوئی رنج پہونچا، سیدہ فاطمۃ الزہرا جیسی خاتون جو باوجود امکان کے کبھی چار سیر آٹے یا دو سیر کھجوروں کی بھی دو ساعت مالک نہ رہی، ہزاروں درہم و دینار کی فطرتاً مالک بن ہی نہ سکتی تھی، قیاس میں نہیں آتا کہ نادان دوست کیوں ایسی عظیم الشان زندگی کو حرص دنیا سے ملوث کرتے ہیں،

اگر سیدہ اس خلافت سے ناخوش ہوتیں تو جب انہوں نے خود یہ کہدیا تھا کہ دوسرا خلیفہ منتخب کر لو میں اس قابل نہیں تو مسلمان بنت الرسول کے رنج سے تغافل کرنے والے نہ تھے،

حضرت ابو بکر نے علی الاعلان یہ کہدیا تھا کہ خلافت سے میں خوش نہیں، دوسرا خلیفہ منتخب کر لو، بڑے بڑے دور اندیش اچھے اچھے مبصر بڑھے بڑھے تجربہ کار موجود تھے، اور یہ وہ

اسلام کے سچے عاشق اور عشق بھی کیسا فنا فی الاسلام ایک صدیق اور فاروق کیا ان کے سامنے تو فرشتہ بھی اسلام کے برخلاف ایسی بات کہتا کہ ان کے دل کو نہ لگتی تو تسلیم نہ کرتے لاکھ خلیفۂ اول نے بچا چھڑانا چاہا، مگر موقع اتنا نازک اور لوگ ایسے کھرے دور اندیش سمجھدار اسلام کے نام پر پسینہ کی جگہ خون بہانے کو تیار، وہ سنتے کس کی اور سمجھتے کسکو، مگر بعض آدمی ایسے موجود تھے جو اسلام کی وقعت کو تو خاک نہ سمجھتے تھے، ہاں یہ ضرور سمجھتے تھے کہ اسلام بھی رسول اللہ کی ملکیت ہے۔ اور بیٹی داماد کے ہوتے دوسرا اس کا حقدار نہیں ہو سکتا، لیکن خود سیدۃ النساء کے دل میں اس کا خیال کبھی پیدا نہ ہوا۔

خلیفۂ اول سیدہ کے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا اور ان کے بعد حضرت عمر خلیفہ ہوئے،

گو یہ بحث ہمارے موضوع سے متعلق نہ ہو مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں حضرت علی ان کے ساتھ شیر و شکر تھے، انہوں نے ہمیشہ خلافت فاروقی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا، حضرت علی کے بعد یہ دھڑے بندیاں اور اختلاف جو آج سنی شیعہ کی صورتوں میں ظاہر ہو رہا ہے شروع ہوا۔ مگر خلافت شیخین کو اس سے مطلق واسطہ نہیں ہے، خلیفۂ دوم نے حسنین علیہما السلام اور امیر علیہ السلام کا امتیاز تا دم واپسیں قایم رکھا اور باوجود کسی معاملہ میں عمر بھر رو رعایت نہ کرنے کے اہل بیت کے اعزاز میں فرق نہ آنے دیا، حسنین علیہما السلام کی وقعت جتنی توقع ہو سکتی تھی اس سے زیادہ کی۔ یزدجرد کی بھانجی، نوشیرواں کی پوتی شہربانو جب گرفتار ہو کر پیش کی گئی ہے وہ جو پوشاک اسکے جسم پر تھی، وہ مال غنیمت میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کی گئی ہے۔ کئی ہزار درہم کی تھی۔ مال تقسیم ہونے کے بعد جب شہزادی کی

دین کے شہزادے کے سپرد کرتا ہوں، یعنی امام حسین علیہ السلام کے حوالہ کردیا یہ وہی شہربانو ہیں جو میدان کربلا میں امام عالی مقام کے ساتھ تھیں،

مختصر یہ ہے کہ انا تبدار تاانہتا ہم کو تو کوئی بات صدیق اکبر کی لڑائی جھگڑے کی نظر نہیں آتی، کہا جاتا ہے کہ وہ آخیر وقت تک ناخوش رہیں اور ایسی کہ مرتے دم تک بات نہ کی، جنازے پر نہ آنے دیا۔ مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں جو سمجھے جا رہے ہیں، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ سیدہ کے مزاج میں شرم و حیا بدرجہ غایت تھی انہوں نے واقعی اپنے جنازے پر کسی کو نہ آنے دیا۔ لیکن کسی سے مطلب شیخین سے نہیں بلکہ ہر نامحرم شخص سے ہے انہوں نے وصیت کردی تھی کہ میرے جنازے کو کوئی غیر شخص ہاتھ نہ لگائے، اور نہ کسی کی نظر میری میت پر پڑے،

باپکے بعد اب اگر کوئی دل خوش کرنے والا خیال تھا تو صرف وہ الفاظ جو آپنے سیدہ کے اضطراب میں آخیر وقت فرمائے تھے کہ فاطمہ سب سے پہلے مجھ سے تم ملوگی، کیونکہ رسالتمآب کے انتقال فرماتے ہی سیدہ کا دل دنیا کی بے ثباتی سے اکھڑ گیا تھا وہ ماں اور بیوی ہونیکی حیثیت سے اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتی تھیں اور اسلیئے کہ اسلام نے اجازت نہیں دی، موت کی تمنی بھی نہ تھیں، مگر اس محبت کا اندازہ بہت مشکل سے ممکن ہے، جو سیدہ کو رسول اللہ سے تھی، ماں کی محبت ان میں مضمر، باپ کی محبت ان میں ظاہر اور اسپر طرہ، رسول کی محبت، گویا تین محبتیں ایک سیدہ کے قلب میں رسول اللہ کی تھیں، ان کا انتقال فرمانا تھا کہ صرف وہی ایک ذہن رہنے لگی کہ کسی طرح رسول اللہ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کروں، باوجود اس ادھیڑ بن کے انہوں نے رحلت کے چند گھنٹے قبل دونوں بچوں کو اپنے ہاتھ سے نہلایا ہے، آخر وقت تک ان فرائض میں مطلق تساہل نہ کیا، جو ایک ماں اور بیوی کے واسطے انجام دینے ضروری ہیں، اس

انہیں مصیبتوں کی پوٹ بنادیا تھا اور فریقین اسکے معترف ہیں کہ خانہ داری کی مصروفیت بچوں کی تربیت شوہر کی خدمت، انہماک عبادت کسی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا، اکثر رات کے وقت روضہ اقدس پر حاضر ہوتیں اور بعد عشا، وہیں عبادت میں مصروف ہوجاتیں،

اسوقت سیدہ کی جو حالت تھی، ہم الفاظ میں اسکو ادا نہیں کرسکتے۔ باپ کی موت یقیناً ایک مصیبت کا پہاڑ تھی اور جیسا کہ عام دستور ہے خیال تھا کہ رفتہ رفتہ یہ صدمہ زایل ہوگا۔ مگر برعکس اسکے جوں جوں دن گذرتے تھے ان کی طبیعت زیادہ متاثر ہوتی جاتی تھی، ماں کی یہ حالت دیکھکر بچوں نے دلداری اور شوہر نے دلجوئی میں کمی نہ کی مگر یہ صدمہ کچھ ایسی بری طرح ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ نقاہت روز بروز زیادہ بڑھتی گئی، رسول اللہ کو انتقال فرمائے تین ہفتہ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ ایک روز رات کے وقت تہجد میں مصروف تھیں، اور یہ وہ روز تھا کہ اس روز گھر میں کچھ پکا پکایا نہ تھا اور سب فاقے سے تھے، امیر علیہ السلام اور بچے بےخبر پڑے سوتے تھے اور سیدہ دو وقت کی بھوکی خدا کے حضور میں کھڑی تھیں، قدرت کے انتظام سب کے واسطے برابر ہیں، دفعتہً چکر آیا اور اس زور سے گریں کہ سخت چوٹ آئی، ان اللہ کے نیک بندوں کو ڈاکٹر حکیم تو کیسا ہلدی چونہ بھی نہ جڑتا تھا، اس دھماکے سے حضرت علی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سیدۃ النسا بیہوش پڑی ہیں، بیچین ہوگئے، اسے سنگھائی، منہ پر پانی چھڑکا کچھ دیر بعد جب سیدہ کو ہوش آیا تو امیر علیہ السلام کے آنسو سیدہ کے چہرے پر گر رہے تھے، دیکھ کر اور بھی بیتاب ہوئیں اور کہا، علی! کیوں روتے ہو؟ حضرت علی کچھ دیر خاموش رہے اور پھر کہا خدا کی قدرت دیکھ رہا ہوں، کہ آج دو وقت سے ہم میں سے

دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا، مگر یہ چوٹ مرض کی ابتدا ہو گئی، اب ان کو زیادہ دیر تک کھڑے رہنے اور زیادہ دور چلنے پھرنے میں تکلیف ہوتی تھی، اور روضۂ اقدس پر بھی کم جاتی تھیں، اس کمی نے گھٹ گھٹ کر اور بھی بے قرار کر دیا رسول اللہ کا ایک پیراہن مبارک ہر وقت ہاتھ میں ہوتا، اسکو آنکھوں سے لگاتیں، سر پر رکھتیں سونگھتیں، اور روتیں، بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی وہ ہر چند سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے مگر فراق پدر ایسی چیز نہ تھا کہ اس کا صدمہ زائل ہو جاتا جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو ایک روز سیدہ نے حضرت علی سے درخواست کی کہ علی زندگی کا بھروسہ نہیں، حالت روز بروز بگڑ رہی ہے، مجھ کو ایکدفعہ رسول اللہ کے مزار مبارک کی زیارت کرادو، دل تڑپ رہا ہے طبیعت بے چین ہے، چاہتی ہوں کہ تھوڑی دیر خدمت اقدس میں حاضر ہوں، اور جانتی ہوں کہ مزار پاک کی خاک میری اس گھبراہٹ کو کم کر دے گی، حضرت علی بیوی کی یہ درخواست سنکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھ لے کر روضہ پاک پر آئے، یہاں پہونچنا تھا کہ سیدہ کا اضطراب اور زیادہ بڑھا۔ دیر تک مزار سے لپٹی پڑی رہیں، اور خاک مزار منہ ہاتھ پر ملتی رہیں، جب وہ بے چینی فرو ہوئی تو گھر تشریف لائیں اس وقت انہیں مواخذۂ آخرت کا تصور بندھا اور خیال آیا کہ خدا کے حضور میں حاضر ہونے کے واسطے میں اپنے ہمراہ کیا تحفہ لیجا رہی ہوں، اس خیال نے اور بھی مضطرب کیا حضرت علی نے کہا فاطمہ رض تمہاری بابت رسول اللہ فرما چکے کہ تم خاتون جنت ہو۔ پھر کیوں پریشان ہوتی ہو، جواب دیا، ہاں مگر خاتون جنت ہونے سے پہلے تمام عمر کی جوابدہی کرنی ہے،

سیدہ موت کی متمنی نہ تھیں، وہ یہ بھی کوشش کرتی تھیں کہ رسول اللہ کے انتقال کا صدمہ ان کے دل سے زائل ہو جائے، جانتی تھیں کہ حسنین، جیسے لال ان کے

بعد کون میٹھا ہے جو ان کو کلیجہ سے لگائیگا اور میٹھی نیند سلائیگا، اگر اُدھر رسول اللہ جیسے باپ کی جدائی تھی تو اُدھر علی جیسے شوہر حسنین جیسے بچوں زینب اور کلثوم جیسی بچیوں کی، مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ سیدہ کا سایہ بچوں پر زیادہ عرصہ تک نہ رہے ایسی حالت میں خود سیدہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ نامحرم میرے جنازے کو ہاتھ لگائیں گے، آجتک کسی نامحرم کی نظر میرے چہرہ پر نہیں پڑی، اس خیال کے آتے ہی انہوں نے حضرت علی کو وصیت کی کہ میری میت کو نامحرم ہاتھ نہ لگائے، رات کے وقت دفن کر دینا،

یہ خیال اس حد تک ترقی کر گیا کہ ان کو گہوارہ کی صورت پر بھی اطمینان نہ ہوا اور خود وہ گہوارہ تجویز کیا جسمیں آجتک مسلمان عورتیں اپنے گھروں سے رخصت ہو کر قبروں میں پہونچتی ہیں، موجودہ گہوارہ جسمیں قدّ قامت جسم کسی چیز کا نامحرم کو پتہ نہ چلے، سیدہ کی تجویز ہے،

پانچ یا چھ روز اسکے بعد اور گذرے، اب چلنے پھرنے کی طاقت اچھی طرح نہ تھی بچے ہر وقت ماں کے کلیجے سے لگے رہتے تھے، ان کو چمٹائے ہوئے روتی تھیں، اور ان معصوموں کی آیندہ حالت کا خیال کر کے مامتا کے جوش میں بیتاب ہو جاتی تھیں، ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت علی باہر سے تشریف لائے تو دیکھا کہ تھوڑی سی مٹی گھلی ہوئی ایک برتن میں پاس رکھی ہے، میلے کپڑے الگنی پر دھلے ہوئے پڑے ہیں، چکی پیس رہی ہیں اور رو رہی ہیں، یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی سے صبر نہ ہو سکا اور کہا فاطمہ تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے، شوہر کے اس کہنے سے جی بھر آیا، زیادہ رونے لگیں حضرت علی نے سیدہ کا سر اپنے سینہ سے لگالیا، خاموش ہوئیں اور کہا:-

منتظر ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری حالت خراب ہے، جدائی کا زمانہ قیامت ہوگیا تو فرمانے لگے، فاطمہ تم کو لینے آیا ہوں اٹھو چلو، بچوں کو خدا کے سپرد کرو اور جنت کی سیر دیکھو، علی مجھ کو یقین ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا، مٹی اسلیئے گھولی ہے کہ بچوں کو اپنے ہاتھ سے ایک دفعہ اور نہلا دوں، کپڑے اسلیئے دھوئے ہیں کہ اپنے سامنے انکے کپڑے بدلدوں، جَو اسلیئے پیس رہی ہوں کہ میرے بعد تم اور بچے بھوکے نہ رہو، حضرت علی اس خواب کو سُنکر بے قرار ہوگئے۔ اور کہا فاطمہ کیا کہہ رہی ہو، ابھی رسول اللہ کا صدمہ تازہ ہے کہ تم ایسی باتیں کر رہی ہو، آپ نے فرمایا جو اُنہیں کیا اسمیں بھی کرنا۔ اس کے بعد آپنے بچوں کو قریب بلایا۔ ان کے سر پر ہاتھ پھیرے، گلے لگایا، روئیں اور روکر کہا پیارے بچوں جاؤ نانا کے مزار پر حاضر ہو اور میرے لیئے دعائے مغفرت کرو۔ دونو بچے روتے ہوئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، مگر فوراً ہی الٹے پاؤں واپس آگئے تو سیدہ نے بچوں کو گلے لگایا اور کہا کیوں واپس چلے آئے دونو بچے رو رہے تھے اور ماں کے گلے میں ہاتھ ڈالے ایک لمحہ کو علیحدہ نہ ہوتے تھے، حضرت علی نے پانی پلایا، اور پوچھا کہ تم کیوں چلے آئے تو دونو نے کہا، ہم کو روضۂ اقدس پر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی کہتا ہے حسنین تمہاری ماں دنیا سے رخصت ہوتی ہے، چند گھڑیوں کی مہمان ہے ان کی خدمت میں حاضر رہو، اور اس چہرہ کی زیارت کرتے رہو، جو اب تم سے چھوٹتا ہے، اب سیدہ کو اپنی رحلت کا پورا یقین ہوگیا، حضرت علی کو بلا کر کہا، تین درخواستیں کرتی ہوں قبول کیجئے، اول یہ کہ میری خطا اور قصور معاف کرنا، دوسرے یہ کہ جنازہ رات کے وقت اٹھانا، اور کسی نامحرم کو ہاتھ نہ لگانے دینا، تیسرے یہ کہ بن ماں کے بچوں کی دلداری میں کمی نہ کرنا، ان کے سر سے ماں کا سایہ اٹھتا ہے، ان کے دل کمزور، ان کے حوصلے پست اور ان کے جسم ناتواں ہیں مگر ان کی باتیں بھولی ان کی ضدیں سچی اور ان کی ہٹیں درست ہونگی، امیر علیہ السلام رونے لگے، اور فرمایا:

روضہ اقدس پر چلے جاؤ، جب حضرت علی چلے گئے تو آپ نے وضو کیا، سپید کپڑے بدلے
اور اسما سے کہا علی سے کہدینا اسی لباس میں غسل دیں برہنہ نہ کریں، اب حالت زیادہ
بگڑ رہی تھی، قبلہ کی طرف منہ تھا اور مناجات میں مصروف تھیں، رمضان المبارک کی تیسری تاریخ
کو منگل کے روز مغرب و عشار کے مابین مدینہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی،

خاتمہ

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا ہارا منزل مقصود پر پہونچا ہے، ریگستان
عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی، قدم قدم پر ٹھوکریں، کوسوں سناٹا، آدمی نہ
آدم زادہ، پانی نہ پتہ، اختلافات باہمی، لو کے گرم تھپیڑوں اور باد سموم سے کم نہ تھے
تاریخ کی خموشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیر الگھپ کیا تھا کہ منزلیں طے ہوگئیں، اور
راتیں ختم مگر کہیں ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہ آیا، ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی
تھی، جہاں تک نظر جاتی تھی، عالم سنسان تھا، تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے اولوالعزم
وشجاع اس راستہ سے گذرے، مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا کہ بھولا بھٹکا مسافر پار ہو
جاتا یا رات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کردیتی، جی چھوٹ چلا تھا، مگر سیدہ کی
عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو، بیڑا پار کرنے والا خدا
ہے، اب یہ صدا پوری ہوئی اور مہینوں کی محنت اسوقت ٹھکانے لگتی ہے، کہنے کو یہ
سفر کٹھن تھا، مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا، عقیدت کا فرشتہ باواز بلند کہہ رہا
تھا کہ سیدہ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی، اور یقین کی آنکھیں اپنی دہن میں چشم براہ
تھیں کیسی پر لطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہوئیں، اور کتنے مبارک تھے وہ
دن جنہوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا، منزل پر پہونچکر آرام مل گیا،

روضۂ اقدس پر چلے جاؤ، جب حضرت علی چلے گئے تو آپ نے وضو کیا، سپید کپڑے بدلے اور اسماء سے کہا علی سے کہدینا اسی لباس میں غسل دیں برہنہ نہ کریں، اب حالت زیادہ بگڑ رہی تھی، قبلہ کی طرف منہ تھا اور مناجات میں مصروف تھیں، رمضان المبارک کی تیسری تاریخ کو منگل کے روز مغرب و عشاء کے مابین مدینہ کی اس شہزادی نے دنیا سے رحلت فرمائی،

خاتمہ

آج چھ مہینے کے بعد قلم کا مسافر تھکا ہارا منزل مقصود پر پہونچا ہے، ریگستانِ عرب کی مسافت خاصی زحمت تھی، قدم قدم پر ٹھوکریں، کوسوں سناٹا، آدمی نہ آدم زادہ، پانی نہ پتہ، اختلافات باہمی، لو کے گرم تھپیڑوں اور باد سموم سے کم نہ تھے تاریخ کی خموشی نے وسیع میدان میں ایسا اندھیر الگھپ کیا تھا کہ منزلیں طے ہو گئیں، اور راتیں ختم مگر کہیں ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نظر نہ آیا، ہمت پہلے ہی مرحلے میں پست ہو چلی تھی، جہاں تک نظر جاتی تھی، عالم سنسان تھا تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے اولوالعزم و شجاع اس راستہ سے گذرے، مگر کوئی نقش پا ایسا نہ چھوڑا کہ بھولا بھٹکا مسافر پار ہو جاتا یا رات کی تنہا گھڑیوں میں کوئی روشنی ہی رہبری کر دیتی، جی چھوٹ چلا تھا، مگر سیدہ کی عظمت دل کے کان میں یہ صدا دے رہی تھی کہ ہمت میں کمی نہ ہو، بیڑا پار کرنے والا خدا ہے، اب یہ صدا پوری ہوئی اور مہینوں کی محنت اسوقت ٹھکانے لگتی ہے، کہنے کو یہ سفر کٹھن تھا، مگر دل کی لگی نے خزاں کو بہار بنا دیا، عقیدت کا فرشتہ باواز بلند کہہ رہا تھا کہ سیدہ کی شاہانہ سواری کوئی دم میں نظر آئی، اور یقین کی آنکھیں اپنی وہمن میں چشم براہ تھیں کیسی پر لطف تھیں وہ راتیں جو اس انتظار میں صبح ہوئیں، اور کتنے مبارک تھے وہ دن جنہوں نے گھنٹوں اس تخیل سے دماغ کو معطر رکھا، منزل پر پہونچکر آرام مل گیا،

ٹھہر گیا، مگر نہ پسیجنے تھے دل تو ان ہی شقی القلب کلمہ گو مسلمانوں کے جو بےکس و بےبس امام کے قتل پر کمر بستہ تھے، جب خدائی پیغامبر عباس علمدار کی سریلی آواز نے علی الاعلان کہا ہے یوں أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ" تو صدائے حق سنتے ہی مصیبت ماروں کی آنکھ سے آنسو گر پڑے، شہر بانو آگے بڑھیں اور کہا:-

امام عالی مقام! جس روز سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، آجتک کسی خواہش کا اظہار نہ کیا، مگر آج ایک درخواست پیش کرتی ہوں، قبول فرمائیے، اصغر میری ڈیڑھ سال کی امانت ہے بیمار صغرے مجھسے جیتے جی چھوٹ گئی۔ نہ معلوم زندہ ہے یا تڑپ تڑپ کر رخصت ہوئی، اب یہ لال بھی کوئی دم کا مہمان ہے، دودھ خشک ہو چکا بدنصیب ماں اس قابل نہیں کہ اس کے لب تر کر دے، آواز روتے روتے پڑ گئی، ڈگر ڈگر آنکھیں اور حسرت بھری نگاہیں باقی ہیں، آنکھ کھولتا ہے اور اس توقع پر میرے چہرہ کو دیکھ لیتا ہے کہ دودھ پلا دوں، اگر خلاف مرضی نہ ہو تو میرے لال کی حالت دشمنوں کو دکھا دیجئے۔ اور اس اذان کا واسطہ اذان والے کا صدقہ دے کر دو گھونٹ پانی اس کے حلق میں ڈلوا دیجئے، شاید اسی بہانہ سے اصغر کی زندگی ہو جائے۔ لو سخت ہے اور نرم رخسار مرجھا چکے ہیں، ہللہ اپنے دامن سے ڈھانک لیجئے اور کلیجہ سے لگا لیجئے، اتنا کہہ کر ممتا کی ماری ماں نے اپنی اٹھارہ مہینہ کی کمائی شوہر کی گود میں دیدی بچہ نے محبت بھری نگاہ سے ماں کا چہرہ دیکھا، گویا وہ نگاہ کہہ رہی تھی کہ یہ میرے آخری لمحے ہیں اپنی صورت دکھا دو، اور میری دیکھ لو، اس محبت کی تہ میں موت کھیل رہی ہے ماں نے ایک دفعہ بچہ کو اور پیار کیا، اور امام عالی مقام باہر نکلے، بیوی کی التجا اپنی ممتا، بات کی پیچ، کلمہ حق کی حفاظت، رک رک کر قدم اٹھائے اور قریب پہنچکر کہا:-

...ہیں ہے انہیں تھوتو اور دیکھو یہ کیا ہے، یہ اس نسل سے ہے جس کا ...

گھوڑا خدا کا رسول تھا، آج جس کا کلمہ پڑھتے ہو یہ اسکے پیارے کا پیارا ہے، بچانو کہ یہ شہر بانو کی اٹھارہ مہینہ کی محنت اس کا وہ لال ہے جسکو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی ہے۔ اسکی موت اسکو بے موت مار دے گی، دیکھو لو کے جھونکے اس پھول سے لال کو بھلسا رہے ہیں، تمہارا قصور وار میں ہوں، یہ معصوم بے گناہ ہے، اس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا اس لال پر نو وقت کا فاقہ ہے ایک گھونٹ پانی کا دیدو، امام کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ حرملہ بن کاہل کا تیر بچہ کے حلقوم کے پار تھا، اصغر نے آنکھ کھولی باپ کو دیکھا، اور رخصت ہوا۔ امام بچہ کا مردہ کلیجہ سے لگائے واپس آئے، اور کہا لو بانو اصغر سیراب ہو گئے۔ ماں نے ہاتھ پھیلائے۔ کپڑا اٹھایا تو کربلا کا ننھا سا مہمان باپ کے کلیجہ سے چمٹا خون میں نہا رہا تھا۔

بچوں کو گود میں لینے والی مائیں، ہمکتے ہوئے بچوں کو کلیجہ سے چمٹانے والی مائیں، شفقت بھری نظروں سے بچوں کو دیکھنے والے باپ اور پھول سے بچوں پر جان چھڑکنے والے باپ اسوقت کا اندازہ کر لیں کہ ماں باپ کا دل کیا کہہ رہا ہوگا،

اصغر کی شہادت نے دونو کا کلیجہ توڑ دیا، آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر کیا۔ بڑے بچے علی اکبر سے اب ضبط نہ ہوا اور چاہا کہ دشمنوں کو ان کی سنگدلی کا مزہ چکھاؤں۔ میدان میں جانے کا قصد کیا تو ادب سے ہمت نہ پڑی، بدن پر ہتھیار لگا گردن نیچی کئے باپ کے سامنے آ کھڑے ہوئے، جس باپ کی گود میں ابھی ابھی ایک لال دم توڑ چکا ہے، اسکے سامنے جوان شیر کی وداع کیسی ہوگی، صاحب اولاد سمجھیں امام کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ بچہ کو کلیجہ سے لگا کر کہا۔ تمہاری اجازت دینے والا میں نہیں ہوں۔ اُس پھوپی سے اجازت لو جسنے ہزاروں ارمانوں سے جوان کیا ہے

اجڑا بیٹا باندہ کلیجے سے لگایا، اور کہا، رن کی تیاریاں ہیں بسم اللہ کرو، باپ پر فدا ہونے کا یہی وقت ہے، چلو میں چلکر اجازت دلواؤنگی۔

دونو پھوپی بھتیجے امام کے پہلو میں آکھڑے ہوئے تو سید الشہداؑ نے بہن سے کہا تمہارے صاحبزادے میدان جنگ کی اجازت کے واسطے اصرار کر رہے ہیں، بتاؤ کس دل سے اجازت دیدوں، ابھی اصغر کے آنسو چہرہ پر موجود ہیں آخر انسان ہوں، پہلو میں دل ہے پتھر نہیں، تم ان کی پھوپی بھی ہو ما بھی ہو، بھائی کا لحاظ بھتیجے کی محبت چھوڑ کر۔

"بیٹی ہو تم علی کی تم ہی فیصلہ کرو"

بھائی کی مصیبت۔ بھتیجے کی محبت دونو باتیں آنکھ کے سامنے تھیں۔ علی اکبر نے ایک نظر پھوپی کی طرف اٹھائی، اسمیں نہ معلوم کیا تھا، التجا تھی منت تھی، خوشامد تھی کہ اس نگاہ نے پھوپی کو رضامند کر لیا۔ اور انہوں نے کہا شوق شہادت رکنے والا نہیں۔ میں نے دل پر پتھر رکھہ لیا۔ تم مرد ہو، خدا کا نام لیکر اجازت دو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو،

علی اکبرؑ کا چہرہ بشاش ہوگیا تو پھوپی نے کہا ما کے گلے لگو، ہیں خدمت گذار تھی حقدار ہی ہے۔ جس نے دودہ نہیں خون جگر پلایا اور حسرت بھری نظروں سے فیصلہ کی منتظر ہے۔ اجازت اس سے لو جسکی کوک اجڑتی ہے، حکم اس کا لو جس کا پھول دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا گیا۔ اور شیر جوان آنکھوں سے اٹھتا ہے۔ جھک جاؤ اور دادی کی روح کا واسطہ دیکر اذن لو اور بسم اللہ کرو،

ما گم سم تھی، بچہ جھکا تو سر پر ہاتھ رکھہ لیا، دل امنڈ آیا تو منہ پھیر کر رودیں مگر آنسو

پر رحم کرو بڑھیا ماں اور بدنصیب پھوپی تڑپ تڑپ کر مر جائے گی حسین کی پروانہ کرو، باپ تھوڑی دیر کا مہمان ہے، کیوں اُس کا ساتھ دیتے ہو، دنیا کی بہار دیکھو اور دیکھنے دو، یزید کی بیعت قبول کرو اور ادھر آ جاؤ، بجلی کی طرح یہ الفاظ تمام جسم میں دوڑ گئے۔ غصہ کے مارے تھر تھر کانپنے لگے اور کہا:۔

شبیر کا شکوہ دل شبیر کے آگے قرآں کی بدی کرتا ہے تفسیر کے آگے

تین دن کا بھوکا پیاسا ہوں مگر تم جیسے کمینوں کو خون میں نہلا کر دنیا سے سرخرو جاؤں گا۔

ایک متفقہ گروہ امام کے اس چاند پر ٹوٹ پڑا منقذ بن مرۃ عبدی کا نیزہ کلیجہ کے پار ہو گیا امام عالی مقام بچہ کی لاش اٹھا کر لائے، اور سپرد زمین کی،

نند بھاوجیں بھوکی پیاسی کھڑی اللہ اللہ کر رہی تھیں کہ دیکھئے کیا ظہور میں آتا ہے کہ اکبر کی لاش نظر آئی، مصائب کا خاتمہ ہو چکا تھا اور صبر و شکر کا وقت تھا، دونو کی دونو دوڑ کر لاش سے لپٹ گئیں، دشمن فتح کا نقارہ اور طبلی ڈہل بجا رہے تھے، امام نے خود ہتیار زیب تن کئے تو لاش سے جدا ہو کر ادھر آئیں یہ عجیب سماں تھا۔ اور اسوقت وہ واقعہ پیش آتا ہے جو بہن بھائیوں کی سچی محبت کا قیامت تک نمونہ چھوڑ گیا،

خواہر امام بی بی زینب نے اپنے دونو بچوں عون و محمدؑ کو علیحدہ بلایا اور خاموش نگاہ سے جسمیں تعجب اور ناخوشی شامل تھی، ان کو دیکھا، بچوں کی بساط ہی کیا تھی۔ دس گیارہ برس کی عمر میں نازونعم کے پلے، سیدھے سادے، ماں کے تیور دیکھ کر سہم گئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگے، غلاموں سے کیا قصور ہوا،

ماں۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کیا قصور ہوا، میں تو فقط دیکھ رہی تھی کہ دیکھوں تم کو

بچے۔ اماں ہم کو جو تم [illegible]

ما۔ میں حکم دوں۔ تم کو خود کسی بات کا خیال نہیں،

بچے۔ اماں! ہم نہیں سمجھے کہ آپ کیا فرما رہی ہیں،

ما۔ تم دیکھ رہے ہو کہ تمام عزیز امام پر سے قربان ہو گئے ماموں کی بھری کھیتی آج اجاڑ ہو گئی، علی اکبر شہید ہو چکے، تم سے چھوٹا بھائی اصغر شہادت کا درجہ حاصل کرے اور تم دونوں زندہ رہ کر مجھ کو شرمندہ کرو، جب بھائی کے بچے نہ رہے تو اب میں تم کو کن آنکھوں سے دیکھ کر خوش ہوں، تم نے اس میدان کربلا میں جہاں سب بچے کام آ گئے، باپ اور ماں کی عزت پر پانی پھیر دیا، ایک وہ بچے ہیں جو اماں باوا کا نام روشن کریں، ایک تم ہو کہ میرے سامنے ہٹے کٹے جیتے جاگتے کھڑے ہو،

ماں کی یہ شکایت اور غصہ معصوموں کے دلوں پر تیر کی طرح لگا، گھبرا گئے، اور کہنے لگے ہم تو خود اسی فکر میں بیٹھے ہیں، کبھی ماموں جان کا منہ تکتے ہیں، کبھی آپ کو دیکھتے ہیں کہ شاید اب بھی ہم کو حکم مل جائے، لیکن نہ انہوں نے ہم کو اس قابل سمجھا نہ آپ نے، ہم یہ ہی باتیں کر رہے تھے کہ ہماری تقدیر ایسی کہاں، شاید ماموں جان نے ہم کو اپنی لڑکی اولاد نہ سمجھا، جو ہمارا ہدیہ قبول فرماتے،

بچوں سے یہ باتیں سنکر ماں کا دل بڑھ گیا اور سمجھ گئیں کہ میرے لال مجھ کو سرخرو کرینگے، لیکن بچوں کے سامنے اسی طرح خاموش رہیں اور کہنے لگیں،

سوچ رہے ہو گے کیا خبر ہے مجھے یا ماموں سے تو پوچھا نہیں،

بچے۔ چلیئے تو اب آپ ہم پر اتنا رحم کیجئے کہ ماموں جان سے اجازت دلوا دیجئے، دیکھئے بڑے بھائی جان (قاسم) ساتھ ساتھ پھر رہے ہیں، ابکے شاید وہ جائیں گے ہم سب سے ہی پیچھے رہ گئے،

آئے آئے ماں جائے بیٹے دو چاند سے ٹکڑے امام [illegible]

اللہ اللہ کیا وقت ہے، اسی دن کو پال پوس کر تیار کیا تہا کہ دشمنوں کی تلواریں ان ماہ پاروں کو خاک میں ملائیں، بھائی کی عاشق زار بہن پاس آئی اور کہا بہیّا ایک بات کہنی ہے،

امام۔ کہو کیا کہتی ہو،

زینب۔ میری شرم اسوقت تمہارے ہاتھ ہے، فاطمہ کی اولاد اور علی کے خاندان پر اس سے زیادہ مصیبت کا وقت اب کیا آئے گا، میں اسوقت کسی لایق نہیں ہوں، طاقتور نہیں کہ ظالموں سے ظلم کا بدلہ لوں، مرد نہیں کہ فرات سے مشک بھر لاؤں اور پیاسوں کا حلق تر کردوں، یہ وقت کیا سدا رہنے والا ہے اور تہوڑی دیر کی آزمایش ہے، جس کی تقدیر میں جو لینا ہے وہ لے لے۔ بھائی مجھہ کو کیوں سعادت سے محروم کرتے ہو، کل میدان قیامت میں اماں کو کیا منہ دکھاؤنگی، اگر پوچھ بیٹھیں کہ زینب میدان کربلا میں بھائی کی کیا مدد کی، تو کس منہ سے جواب دونگی، میرے بھائی مظلوم بہن کی شرم رکھ لے۔ اور یہ دو بچے موجود ہیں ان کو قبول کر اور میدان کی اجازت دے، کہہ تو سکونگی کہ اماں میرے پاس کچھہ نہ تہا، جو تہا وہ قربان کردیا،

بہن کی تقریر سے امام کے آنسو نکل پڑے، اور کہا زینب کیا کہہ رہی ہو، ان پھولوں کو اچھی طرح کہلنے دو، یہ اپنی خوشبو سے دنیا کو معطر کرینگے، انکی عمریں مرنے کی نہیں ہیں، میرا کلیجہ ان کو دیکھہ دیکھہ کر غم کٹ رہا ہے، انہوں نے ماموں کے ساتھ بھوک پیاس کی جو تکلیف اٹھائی، وہی کیا کم ہے۔ زینب میں تم سے تمہارے بچوں سے خود ہی شرمندہ ہوں کہ میں نے بہن بھانجوں کی خاطر تو درکنار اور انہیں مصیبت میں پھنسا دیا اب میرے زخم پر نمک نہ چھڑکو،

[illegible]

کے واسطے زندہ رہ گئی تھی حسین اگر میرے بچے تمہاری نگاہ میں اس لائق نہیں ہیں تو
اماں باوا کی پاک روحوں کا صدقہ بیکس بہن کو خالی نہ پھیرو، اصغر اور اکبر کے بعد اب میں
ان کو لیکر کیا کرونگی، ان کو اجازت دو، اور مجھ کو جلالو،

بہن کے یہ الفاظ اس مصیبت خیز حالت میں امام کے واسطے قیامت تھے، ہچکی
بندھ گئی، بہن کو کلیجہ سے لپٹا لیا اور کہا زینب کیا کہہ رہی ہو، دنیا تم جیسی بہن پر فخر
کرے گی، سادات تمہارے نام پر ناز کرینگے، اور مسلمان تمہارے کارنامے سر آنکھوں پر
رکھیں گے، عون و محمد میرے کلیجے کے ٹکڑے ہیں، اکبر و اصغر سے زیادہ ہیں، دل ٨٦
گوارا نہیں کرتا کہ اپنے جیتے جی ان دونو کا صدمہ اٹھالوں، یہ چہرے اس قابل نہیں
ہیں کہ خون میں نہا جائیں، یہ کونپلیں ابھی اچھی طرح پھوٹی بھی نہیں، تم اجاڑتی ہو، تمہاری
خوشی ہے انکار نہیں کر سکتا بسم اللہ بھیجدو،

خوشی کے مارے اچھل پڑیں۔ دونو سے کہا جھکو اور ماموں کا شکر بجالاؤ، دونو
ادب سے سرنگوں ہو گئے تو امام نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھے اور کہا تمہاری ماں کی یہ
ہی خوشی ہے تو عون و محمد جاؤ، اور جو داغ حسین کی تقدیر میں لکھا ہے دیکھا جائے
دونو کو خوش خوش لیکر آئیں، ہاتھ منہ دھلا کر کپڑے بدلے اپنے ہاتھ سے
ہتھیار لگائے اور کہا "خدا حافظ"

اس ماں کے دل سے پوچھنا چاہیئے کہ کیا گذری ہوگی، جو بچوں کو ظالموں کے
واسطے دولہا بنا رہی تھی، بچے تیار ہوئے تو گو ضبط کر رہی تھیں مگر دل بگڑ گیا، دونو
کو گلے لگایا۔ اور کہا دیکھو میں یہاں بیٹھی تم کو دیکھ رہی ہوں، گھبرانا نہیں، تھوڑی

ہمیشہ کا آرام ہو گا،

لو جاؤ رخصت، فی امان اللہ،

میری تم ہی میں جان ہے گو بے حواس ہوں
تم مر کے دیکھ لو کہ میں پردے کے پاس ہوں

بچوں کا میدان میں پہونچنا تھا کہ اعدا کھلکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے یہاں تک نوبت آ گئی کہ ہم جیسے بہادروں کے مقابلہ کو یہ بچے آنے لگے، جن کے دودھ کے دانت ہی نہیں ٹوٹے، تم کون ہو۔ امام سے کیا تعلق ہے، کیوں خواہ مخواہ ہمارے اعمالنامے میں اپنا خون لکھواتے ہو، ہم کو ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے، عباس کہاں ہیں، ان کو بھیجو، کوئی اور مرد بھی ہے یا سب مر گئے، تم ہی رہ گئے ہو۔ ہم نے تو بڑا شہرہ سنا تھا وہ جان نثار کدھر گئے، بولو تم ہو کون؟

بچے لعینوں کی مسکراہٹ پر غصے کے مارے دانت چبانے لگے، مگر بچے تھے معصوم بھولے بھالے، کہنے لگے ہم امام کے بھانجے ہیں اور ماموں کے جان نثار خادم تم دیکھنا ہم تم میں سے کتنوں کو جہنم میں پہونچاتے ہیں۔

اعدا۔ کونسی بہن کے بیٹے ہو، کیا تمہاری ماں بھی ساتھ آئی ہیں یا فقط تم ہی گلا کٹانے آئے ہو،

بچے۔ تم کو ہماری ماں سے کیا مطلب ہم تمہارے سامنے نہیں کہتے کہ کونسی بہن کے بیٹے ہیں،

اتنا کہہ کر بچوں نے حملہ کیا، اور اپنی بساط کے موافق خوب لڑے لیکن کہاں

بچوں کا چہرہ دیکھتے ہی دنیا آنکھوں میں اندھیر ہوگئی، مگر خاموش تھیں، چکر آئے سنبھلیں اور پھر بچوں کو دیکھ کر کہا:۔

بھائی میرے بچے ناواقف تھے، کوئی بات لڑائی میں خلاف جنگ تو نہیں کی یہ لڑ رہے تھے، میں دیکھ رہی تھی، نانا کی امت نے میرے سامنے میرے کلیجہ کے ٹکڑے تیروں سے چھید دئے ہیں، میرے بچے مجھ پر فدا ہوئے،

اب تک دور سے کھڑی دیکھ رہی تھیں اور وہ دونوں لاشیں جن کو اپنے ہاتھ سے موت کے واسطے تیار کیا تھا۔ گلے کٹے سامنے پڑی تھیں، بدن سے خون جاری تھے اور پیاس کے مارے زبانیں باہر نکلی پڑی تھیں، صورتیں دیکھتے دیکھتے دفعۃً ایک جوش اٹھا، آگے بڑھتی تھیں کہ حیا نے سیدانی کے پاؤں میں زنجیر ڈالدی شہربانو نے امام کو علیحدہ بلا کر کہا، باہر چلے جاؤ بدنصیب ماں کو اتنا موقعہ دیدو کہ بچوں سے لپٹ لے، جو کہنا ہے وہ کہہ لے، جو سننا ہے وہ سن لے، امام باہر گئے تو دونوں کے بیچ میں لیٹ گئیں، سیدھا ہاتھ بڑے کے سینہ پر اور الٹا چھوٹے کے سینہ پر رکھا اور کہا:۔

ماں کے گھر سے بھوکے پیاسے رخصت ہونے والے بھائیو اٹھو، ماں کا کلیجہ ٹھنڈا کردو۔ آؤ لپٹ جاؤ، ذرا سی خفگی سے تو کانپ گئے تھے اب اتنی دیر سے رو رہی ہوں، آنکھیں کھولو، ماں پر فدا ہونے والے لاڈلو آنکھ کھولو۔ نانا نانی سے میری شکایت نہ کرنا، میں مجبور تھی۔ دریا پر دشمنوں کا پہرہ ہے، پیاس میں تڑپتا میدان میں بھیج ماں میں ظالم ماں نہیں ہوں، اپنے بچوں کی عاشق ہوں، جب تک ہوں، زندگی کے دن کاٹونگی، مگر پیارو تمہارے بعد خوشی حرام ہوگئی، لو جاؤ ماں کے گھر سے رخصت

خدا حافظ!

المختصر ایک تین گھنٹہ میں گاجر مولی کی طرح یزیدی سفاکوں نے فاطمہؑ کے جگر پاروں کا صفایا کر دیا، ترسا ترسا کر مارا تڑپا تڑپا کر مارا، دکھا دکھا کر اور جلا جلا کر جب دسویں محرم کا آفتاب نصف النہار کے قریب پہونچا ہے۔ اور بچے تک جھلس چکے ہیں تو وہ وقت آیا جب سیدانیوں کے سر پر سوا شہید کربلا کے دوسرا مرد نہ رہا اسوقت مسافر کربلا نے عورتوں کی طرف دیکھا اور کہا اب میں جاتا ہوں، اگر خدا کو منظور ہے تو قیامت کے روز ملاقات ہوگی، فاطمہ کے گلفام سب خاک میں جا سوئے اور علیؑ کی نسل تمام منقطع ہو چکی صرف ایک عابد بیمار باقی ہیں، اگر یہ زندہ رہے اور خدا نے کبھی تم کو چین دیا تو نانا کی امت تک میرا یہ پیغام پہونچا دینا،

"مسلمانو! دنیا کی کسی حالت کو قرار اور کسی کیفیت کو ثبات نہیں، جو آج تخت نشین ہے وہ کل خاک نشین ہوگا، مدینہ طیبہ میں جس کی سواری خدا کا پاک رسول تھا میدان کربلا میں اسکو مصیبت ناک گرمی میں تین دن اور تین رات پانی کا قطرہ تک میسر نہ ہوا۔ اس حالت اور آفت میں کہ معصوم بچوں اور جوان شیروں نے آنکھوں کے سامنے دم توڑا۔ برابر کے بھائی اور ہمیشہ کے رفیق چھوٹے، سیدانیاں بے یار و مددگار رہیں اور خدا کے سوا ان کا کوئی وارث نہ رہا۔ میرا پاؤں استقلال سے نہ ڈگمگایا خدا کا سچا وعدہ:۔

"ولنبلونکم بشیٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون"

ناپائدار کی فانی خوشیاں جن کا زوال فنا کے ساتھ وابستہ ہے مجھ سے پوشیدہ رہیں میں نے ایک ظالم اور زانی کی بیعت سے انکار کیا، اور گوارا نہ کیا کہ کلمہ گو مظلوم اور اُمت بیکس کی عصمت مآب خواتین میری موجودگی میں ایک جفا کار کی رعیت ہو جائیں، مجھے اپنے نانا اور تمہارے رسول کو منہ دکھانا تھا، میرا استقلال لمحہ بہ لمحہ بڑھتا رہا اور جسکو دشمن پر طاؤس سمجھتے تھے وہ کوہ پیکر نکلا، بھوک کی تکلیف استقلال کے رنگ میں میرے واسطے نعمت تھی، اور پیاس کی اذیت ثابت قدمی کی دھن میں میرے لئے موجب تسکین"

بیبیاں جب اپنے شیر خوار بچوں کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلائیں تو حسین بیکس کی مصیبت کو فراموش نہ کریں جس کی گود میں اصغر جیسا لال دودھ کو ترستا اور پانی کو پھڑکتا باپ کی صورت کو تکتا ہوا ختم ہو گیا، مسلمان جب اپنے جوان لڑکوں کو دولہا بنا کر ان کی دلہنیں پالکیوں میں سے اتاریں تو اس وقت کا خیال رکھیں، کہ رسول کا نواسہ کس طرح اپنے جوان شیر علی اکبر کی لاش کو میدان سے اٹھا کر لایا اور زمین کے سپرد کر دیا، قوم جب اپنی بیویوں اور بہنوں کی ناموس کا احترام کرے تو یہ بھی یاد کر لے کہ حسین کی ننگ و ناموس کا والی کربلا میں خدا کے سوا کوئی نہ تھا،

ڈہل پر ڈہل بجنے لگا اور سید الشہدا میدان جنگ میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ آج جمعہ کا روز ہے، مسلمان اسوقت فریضہ نماز کی تیاریاں کر رہے ہوں گے تم بھی کلمہ گو ہو، اور آج اسوقت جس کا کلمہ پڑھتے ہو اسکے نواسے کو مارنے کی تیاری

ہوسکتا تھا، لڑائی شروع ہوئی اور کچھ دیر بعد امام عالی مقام پر چاروں طرف سے نرغہ ہوا۔ اور آپ زخمی ہوکر نیچے گرے، شمر نامی ایک شخص اس غرض سے آگے بڑھا کہ سرتن سے جدا کرے۔ آپنے اس سے فرمایا دیکھ کیا وقت ہے، مسلمان اسوقت مسجدوں میں نمازیں پڑھ رہے ہوں گے، اور تم مجھے قتل کر رہے ہو شہادت امام کی امید میں تمام رات فوج سوئی نہ تھی، اس گفتگو کا کیا نتیجہ ہوسکتا تھا، سر جدا کردیا گیا، اور فتح کے نقاروں کی آواز نے بیویوں کو شہادت حسین کا پیغام پہونچا دیا،

اب دشمن لوٹ مار کے واسطے خیموں میں داخل ہوئے، وہ بیویاں جنہوں نے غیر مردوں کی صورت تک نہ دیکھی تھی ظالموں کی آمد سے کونوں میں دبک دبک کر بیٹھ گئیں تلواروں کی چمک اور ہتھیاروں کی دمک نے دل دہلا دئے، ایک طرف عابد بیمار نظر آئے تو صلاح ہوئی کہ ان کو بھی قتل کر دو اور سادات کی نسل کا قطعاً خاتمہ کر دو، کچھ دیر تک بحث رہی اور آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مریض کو زندہ گرفتار کرکے یزید کی خدمت میں بھیجدو وہاں سے جو مناسب فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

اہلبیت کے خیموں میں تو کیا گھروں میں بھی اگر تلاشی لیجاتی تو مال و متاع برآمد نہوتا سیدانیوں پر پہرے بیٹھ گئے اور خدا کی پاک بندیاں، رسول زادیاں اس وقت ظالموں کی حراست میں تھیں،

فتح کی خوشی میں عبداللہ ابن زیاد و شمر ذی الجوشن بغلیں بجاتے پھرتے تھے ایک رات اسی میدان میں قیام کیا اور جشن منائے، جب جنگ کی تکان رفع ہوئی، تو پیغمبر زادیاں اور عابد بیمار اونٹوں پر سوار کئے گئے۔ سب سے آگے امام عالی مقام کا سر

اور گھمنڈ مارا مار رستہ طے کر رہے تھے، جن نگاہوں نے سوا چند محدود اشیا کے
دنیا کی کائنات کا کبھی مشاہدہ ہی نہیں کیا، اب ان کو سب کچھ دیکھنا پڑتا تھا، ان کے
کلیجے زخمی تھے، ان کی زندگیاں ختم ہو چکی تھیں، جسم موجود تھے، مگر روحیں قریب قریب
نکل چکی تھیں، قیدیوں کی خوراک کا جو دستور رہے دونو وقت ان کو تھوڑی تھوڑی
سی غذا اور قدرے قلیل پانی مل جاتا تھا، لیکن یہ بھی ان کے حلق سے نہ اترتا ننھے
ننھے بچوں کا پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر جان دینا، جوانوں کا العطش العطش
کہہ کر سر دھننا اور مرنا ایسے واقعات نہ تھے کہ مائیں اور پھوپیاں اور بہنیں اور
بیویاں آسانی سے فراموش کر دیتیں، یہ صدمہ دل پر اس طرح بیٹھ چکا تھا،
کہ صرف موت جسم خاکی کو بیجان کر کے بھلا سکتی تھی، بجائے اسکے کہ وقت کے
گذرنے سے اس صدمہ میں کمی ہوتی، زیادتی ہو رہی تھی، کسی ایک پر مصیبت نہ تھی
ہر ایک کی مصیبت دوسرے سے زیادہ تھی، مگر ان مصیبت ماروں کی اس حالت کا
پتہ اس سے چلتا ہے کہ عرصہ بعد ایک روز امام زین العابدین نے دیکھا کہ ایک قصائی
بکرے کو پانی پلا رہا ہے، جب وہ پانی پلا چکا، اور خوب اچھی طرح بکرا سیر ہو گیا
تو اس نے ذبح کیا، آپ یہ دیکھ کر بے اختیار ہو گئے اور اس قدر روئے کہ بہت
سے آدمی جمع ہو گئے، پوچھا تو کہا دشمنوں نے میرے باپ کو بکرے کے برابر بھی نہ
سمجھا قصائی جانور ذبح کرتا ہے تو پہلے پانی اچھی طرح پلا دیتا ہے لیکن میرے باپ
کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ظالموں نے ذبح کیا،

[illegible] کے بعد دنیا میں جس شخص کی گریہ وزاری مشہور ہے وہ امام زین العابدین ہیں

مصیبت کسی سے کم نہ تھی، امام زین العابدینؑ کی حالت اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل رحم تھی کہ بیماری نے بالکل خاتمہ کر دیا تھا، نقاہت کی یہ حالت تھی کہ وہ آسانی سے اونٹ پر چڑھ سکتے تھے نہ اتر سکتے تھے، پانچ آدمیوں میں ایک اونٹ تھا جن میں ایک ایسا بیمار جس سے بیٹھا بھی نہ جائے، گرمی کی یہ کیفیت کہ الامان الحفیظ ریگستان کا سفر، سر پر آفتاب، لو کے جھکڑ، خدا دشمن کو یہ وقت نہ دکھائے، جو دوستوں نے دیکھا،

دمشق سے دو منزل ادھر جب فتحمند مصیبت ماروں کو لیے مقام قیلوم پر پہونچے ہیں تو نقاروں کی آواز اور فتح کے نعروں نے زمین آسمان ایک کر دیا، رعیت اپنے اس بادشاہ کے اقبال کو جو جلد پامال ہونے والا تھا دیکھنے باہر نکلی، عورتیں کوٹھوں پر، بچے سڑکوں پر، بڈھے ٹیلوں پر تماشہ دیکھنے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ نظر بندوں کا ناقہ جس میں آدمی کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے سامنے آیا، سواریاں کیا خود یہ اونٹ ہی قابل رحم تھا، جس پر سر سے پاؤں تک حسرت و بیکسی برس رہی تھی، اسمیں بجلے مرد قیدیوں کے ان عورتوں کا نظر آنا جو اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھیں، نہایت دردانگیز منظر تھا، تماش بین عورتوں میں سے ایک کو رحم آیا اور اس نے باواز بلند بیدردوں کے ظلم اور مظلوموں کے صبر سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھا:-

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کلمہ پڑھنے والی کو یہ نہ معلوم تھا کہ جس کا کلمہ پڑھ رہی ہوں یہ اسی کی ناموس حراست میں ہے، رسول زادیوں نے یہ آواز سنتے ہی اپنے منہ اور زیادہ چھپا لیے سیلانی عورتیں صورتیں دیکھنے کی مشتاق ہوئیں مگر نہ دیکھ سکیں، جب قافلہ سارا گذر گیا اسے تو کلمہ پڑھنے والی کا اشتیاق حد سے زیادہ گذرا نیچے اتری اور آہستہ

ویسا بھرتا ہے، مگر یہ عورتیں اس طرح سے کیوں نکلیں کہ اپنی جھلک تک کسی کو نہ دکھائی،

ہم نے سوچا تھا کہ ثواب کے واسطے ان قیدیوں کو کچھ کھلاتے پلاتے مگر وہ کھٹکھٹا تو رہا الگ سیدھے منہ بات تک تو کرتیں ہی نہیں،

ایک آدمی نے جواب دیا، دمشق کی دیواریں تھوڑی دور آگے بڑھ کر نظر آرہی ہیں، اس پڑاؤ پر ہمارا قیام اس غرض سے ہوگا کہ اپنے لباس اور ہتھیار وغیرہ درست کرلیں، پڑاؤ کچھ دور نہیں ہے، تو چلی چل وہاں ان سے پوچھ لیجیو، اگر یہ لوگ نہ بتائیں گے تو پھر ہم بتا دینگے، مگر تو پوچھ کے دیکھ تو سہی کہتے کیا ہیں،

عورت۔ تمہارا بتانے میں کیا نقصان اور مجھے ایسی پوچھنے کی کیا اشد ضرورت ہے بتاتے ہو بتاؤ، نہیں بتاتے نہ سہی،

مرد۔ یہ رسولؐ کے نواسے حسین کے بال بچے ہیں اور بیچ کے اونٹ پر ان ہی کا سر تھا جو دسویں تاریخ کو میدان کربلا میں ہم نے اسلیئے علیحدہ کیا کہ انہوں نے ہمارے خلیفہ کی نافرمانی کی اور بیعت سے انکار کیا،

عورت اتنا سنتے ہی سناٹے میں رہگئی، ایک آہ کی اور بیہوش ہوگئی، ہوش آیا تو قافلہ نکل چکا تھا، اٹھی اور وہی کلمہ پڑھتی ہوئی بیتابانہ دوڑی، جب قافلہ پڑاؤ پر اتر چکا ہے اور رسول زادیاں ایک درخت کے نیچے بیٹھی اپنی حالت اور خدا کی قدرت کو سوچ رہی تھیں کہ عورت سامنے آئی، اسکی پہلی خواہش یہ تھی کہ وہ سر کی زیارت کرے، مگر افسر ذمہ دار نے اجازت نہ دی، تڑپتی ہوئی اس لٹے ہوئے قافلہ میں پہونچی، بی بی زینب نے ایک تعجب انگیز نظر اس عورت پر ڈالی، اور منہ پھیر لیا، عورت بغیر کچھ بات کئے گھر واپس

بی بی میں کسی قابل نہیں ہوں، تم رسول اللہ کی جان ہمارا ایمان اگر اپنے کرم سے قبول کرلو، تو میں مردہ جی جاؤں گی،

زینب تم کون ہو، کیا نام ہے۔ ہم سے کیا ہمدردی ہے اور کیوں ہے،

عورت مسلمان ہوں اہلبیت کی عاشق رسول اللہ کی کنیز، مدینہ سے آکر عمر اسی اسید میں بسر کی ہے کہ ایک دفعہ وہ پاک صورتیں پھر خواب میں دیکھ لوں، تمہاری صورت بی بی فاطمہ سے مل رہی ہے۔ خدا اور رسول کا واسطہ سچ بتاؤ تم انکی کون ہو،

زینب۔ تم نے بی بی کو کہاں دیکھا تھا؟

عورت مدینہ منورہ زیارت کیواسطے گئی تھی، دو سیلانے بچے کھیل رہے تھے ایک بچی گود میں تھی،

زینب میں ان کے پاس مدتوں رہی ہوں، انکی لونڈی ہوں، عورت پر ایک خاص وجد کی حالت طاری ہوئی، اور اُسنے ایک چیخ ماری اور کہا تم زینب تو نہیں ہو، رفتار میں گفتار میں، عادات میں اطوار میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں تم بی بی فاطمہ معلوم ہوتی ہو، یہ کہہ کر عورت نے قدموں پر سر رکھدیا، تو زینب کی آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے، سر اٹھاکر اسکے واسطے دعا کی۔ قافلہ کا کوچ شروع ہوا فتح کے شادیانوں نے زمین آسمان سر پر اٹھا لیا، فتمندوں کی مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں! اچھلتے کودتے دمشق میں داخل ہوئے تو سینکڑوں مرد عورت اور بچے تماشہ دیکھنے کھڑے ہو گئے، زینب اور شہر بانو دونوں نند بھاوجوں نے اپنے چہرے ردا میں چھپا لئے اور صبر و شکر کی تھمنیں یزید کے دربار میں پہونچیں! زمانہ کیسے کیسے رنگ دکھا رہا ہے اور آنکھیں نت نئے انقلاب دیکھتی ہیں لیکن اس دنیا کی بے ثباتی کا نقش کسی طرح دل پر نہیں جمتا اس سے زیادہ نازک وقت کیا کبھی آیا ہوگا یا آئیگا کہ محض چند روزہ دو حکومت اور اس زندگی کے واسطے جو آنکھ بند کرکے ختم ہو گئی رسول زادیاں چادریں اوڑھے اور امام وقت کا وہ لال جسپر سادات کا دار و مدار ہے خاموش یزید کے سامنے

یہ بھی کربلا کی عقیلیں ہمیشہ رہنے والی عقلیں نہ دربار کی آگئیں، ہاں انکی یادگار آجتک مسلمانوں ہی کا نہیں ایک دنیا کا دل دہلا رہی ہے اور آج جبکہ نہ ظالم یزید موجود ہے نہ مظلوم امام، ظالم کا ظلم اور مظلوم کا استقلال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے المختصر جسوقت یزید تخت پر آکر بیٹھا اور خاندان امام سامنے آکھڑا ہوا تو سید الشہدار کا سر ایک طشت میں اسکے سامنے رکھا گیا، ہاتھ میں چھڑی تھی، آہستہ آہستہ سر کو ماری اور کہا اسی منہ سے خلافت کا دعوے کیا تھا کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خوار و برباد کیا، حاضرین میں ایک ضعیف العمر شخص موجود تھے۔ یہ دردانگیز سماں دیکھ کر بے چین ہو گئے، روتے ہوئے اٹھے اور کہا:۔

یزید! کیا غضب کرتا ہے یہ سر جسکے ساتھ آج تو اس قدر بے ادبی کر رہا ہے بار ہا میں نے رسول اللہ کی گود میں دیکھا ہے، جس پر تو آج بید مار رہا ہے اسکو رسول اللہ نے بوسہ دیا ہے، تو سب کچھ کر چکا امام کو شہید کیا، آل و اولاد کا خاتمہ کیا، سیدانیاں تیرے سامنے بے برقع و نقاب بالوں میں منہ چھپائے حاضر ہو گئیں ہیں، بیمار سید تیرے روبرو مرض سے کراہ رہا ہے اور تیرے دل میں خدا کا خوف نہیں کہ سمجھے اور سوچے، یزید! یہ حکومت کے روز کی، بہت جلد اس حکومت میں جا پہونچے گا جہاں ان ہی لوگوں کا دور دورہ ہے، اور ان کے سکے چل رہے ہیں،

یزید یہ سنتے ہی جل بھنکر کباب ہو گیا، اور ان بزرگ کو غیظ و غضب سے دیکھکر حکم دیا کہ ابھی اس مجلس سے نکالدو، حکم کی فوراً تعمیل کی گئی، اسکے بعد اس نے امام زین العابدین کی طرف دیکھا اور کہا، کچھ جانتے ہو، کہاں ہو، کیا دیکھ رہے ہو، اور کیا ہو گیا، اگر تمہارے باپ کے دل میں تمکنت و غرور نہ ہوتا تو آج یہ سر میرے سامنے نہ رکھا ہوتا، ان کو معلوم نہ تھا کہ میں کتنی طاقت کا انسان ہوں، اس دربار پر نظر ڈالو، اس کا کونہ کونہ اور چپہ چپہ میرے جلال و جبروت کا پتہ دے رہا ہے، یہ تمہارے برابر دونوں عورتیں کون ہیں، جب خدا نے ہی ان کو پردہ کے لائق نہ رکھا تو اب کس منہ سے

سانس پھول رہا ہے، بات کی نہیں جاتی، ٹھہرے ہو۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سے بیزار اور موت کے خواستگار ہو مگر ابھی تک اپنی ہٹ پر اڑے ہوئے ہو، رسی جل گئی بل نہیں گیا،

امام زین العابدین۔ ہمارے باپ نے محض خدا کی مخلوق کو امن میں رکھنے کے واسطے اپنی اور اپنے پیاروں کی جانیں قربان کر دیں، تجھ جیسے کم بخت سے بیعت کرنا مسلمانوں کو جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکا دینا تھا، دنیا تھوڑی بھی گذر جاتی، مگر خدا کے ہاں ہم کیا منہ دکھلاتے، تیرے عارضی اور فانی جلوے اگر تو غور سے دیکھے تو اسوقت بھی جب ہم تیرے دربار میں مظلوم و بیکس حاضر ہیں تیرے غرور اور ہماری صداقت کا پتہ دے رہی ہیں، کائنات کی ہر شئے ہماری بے گناہی کی شاہد ہے، ان بیویوں کو نہ پوچھ کلام اللہ ان کا ایمان ہے اور آزمایش کا وقت یہی ہے، خدا ان کو آزما رہا ہے، اور یہ راضی برضا ہیں، اسوقت تو ظالم ہے جو چاہے کہہ لے، مگر آ رہا ہے وہ وقت جب ہمارا تیرا معاملہ ایک منتقم حقیقی کے سپرد ہوگا،

یزید۔ اس فضول بحث کو جانے دو، ذرا میرے اقبال پر نظر ڈالو، تم میرے سامنے گرفتار حاضر ہو، اور تمہارے باپ کا سر یہ پڑا ہوا ہے۔ اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ اور میں تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں گا،

امام۔ دیکھ اذان ہو رہی ہے، کچھ سمجھا یہ کیا ہے، تیرے ہی پڑوس میں ایک شخص خدا کا پیغام پکار رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ تیرا یہ تمام اقبال جس پر تو پھول رہا ہے ہمیشہ رہنے والا نہیں، تجھے معلوم ہے اسمیں کیا نام لیا گیا تو نے سنا۔

اشہد ان محمد رسول اللہ

بتا یہ کس کا نام ہے؟ جو اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک دنیا زندہ ہے،

اس گفتگو کے بعد کچھ تھوڑی سی گفتگو بی بی زینب سے یزید کی ہوئی، اور آخر کار